علی المرتضیٰ، سیدنا زبیر رض اور ابن جرموز

نواصب کے ایک جدید اعتراض پر تفصیلی نظر

تحریر: ابو عبدالودود

روایت میں آیا ہے کہ:

ابو خالد یعنی والبی نے کہا: احنف نے بنو تمیم کو بلایا، لیکن انہوں نے اس کی دعوت قبول نہ کی۔ پھر اس نے بنو سعد کو بلایا، لیکن انہوں نے بھی اس کی دعوت قبول نہ کی۔ چنانچہ وہ ایک جماعت کے ساتھ الگ ہو گیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک گھوڑے پر گزرے، جسے "ذوالنعال" کہا جاتا تھا۔ احنف نے کہا: "یہ وہی شخص ہے جو لوگوں کے درمیان فساد ڈالا کرتا تھا۔"

راوی کہتے ہیں: پھر جو لوگ احنف کے ساتھ تھے، ان میں سے دو آدمیوں نے زبیر رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا۔ ان میں سے ایک نے ان پر حملہ کیا اور انہیں نیزہ مارا، اور دوسرے نے ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ پھر وہ ان کا سر لے کر دروازے پر آیا اور کہا: "زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اندر آنے کی اجازت دو۔"

علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فرمایا: "صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو۔" چنانچہ وہ اسے وہیں پھینک کر چلا گیا۔

(طبقاب ابن سعد، اسناد صحیح عند السنابلی ہندی)

اعتراض

نواصب کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن جرموز سے قصاص کیوں نہ لیا؟

مختصر جواب

" یہاں دو الگ امور کو خلط نہیں کرنا چاہیے: اول یہ کہ ابن جرموز کا فعل قابلِ مذمت تھا اور اس پر اخروی وعید آئی ہے؛ دوم یہ کہ اسی فعل کی بنیاد پر دنیا میں شرعی قصاص بھی واجب تھا یا نہیں۔ دونوں کے احکام اور اثبات کا طریقہ یکساں نہیں۔ اخروی وعید اور بشارت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کامل علم اور قاتل کے باطن و نیت سے ہے، جبکہ دنیا میں قصاص کا حکم ظاہری شواہد، معتبر گواہی، اقرار اور دیگر شرعی شرائط کی بنیاد پر ثابت ہوتا ہے، اور شبہ کی موجودگی بھی اس کے حکم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی واضح مثال سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کا معاملہ ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إن قاتل عمار وسالبه في النار »، لیکن اس کے باوجود اس وعید کی بنیاد پر دنیا میں اس قاتل سے قصاص نہیں لیا گیا۔ لہٰذا ابن جرموز کے بارے میں « بشّر قاتل ابن صفية بالنار » کا وارد ہونا اس کے فعل کی اخروی قباحت کو ثابت کرتا ہے، مگر اس سے خود بخود یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں اس سے قصاص لینا بھی شرعاً واجب تھا؛ اس کے لیے ان واقعات میں قصاص کی مستقل شرائط کا اثبات ضروری ہے۔ ابن جرموز دراصل اعتزال کرنے

والے ایک لشکر کا حصہ تھا جسے جنگ جمل کے حالات، سیدنا زبیر کی واپسی کی کیفیت اور سیدنا علی کے احکامات کا علم ہونا ثابت نہیں، اسی طرح علی رض بھی وادی سباع میں ہونے والے واقعہ کی تفصیلات سے آگاہ نہ تھے۔ اسی شبہ کی وجہ سے ابن جرموز سے قصاص نہ لیا گیا۔"

اس مضمون میں ہم اس واقعہ اور اس سے جڑے شرعی و قانونی احکامات کی مکمل تفصیل بیان کریں گے۔

پیش لفظ

یہ روایت سنابلی پارٹی کی پسندیدہ روایات میں سے ایک ہے۔ یزیدی مکتبِ فکر کے حامیان اس روایت کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے ضمن میں بطورِ خاص پیش کرتے ہیں۔ ان کے استدلال کی بنیاد صرف یہ نہیں کہ اس روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے وابستہ ایک شخص نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، بلکہ وہ اس سے دو قدم آگے بڑھ کر ایک اعتراض بھی قائم کرتے ہیں: اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل متعین یا معلوم نہیں تھے، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا، پھر اسے سزا کیوں نہ دی گئی؟

بظاہر یہ اعتراض ایک نہایت مضبوط سوال کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس کی بنیاد روایت کے الفاظ، اس کے سیاق، واقعۂ قتل کی نوعیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کے مفہوم کو پوری طرح سامنے رکھے بغیر قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس روایت کو

اس مضمون میں ہم اسی روایت کو مرحلہ وار زیرِ بحث لائیں گے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ روایت میں حقیقتاً کیا بیان ہوا ہے، اس سے کیا ثابت ہوتا ہے، اور اس سے وہ نتائج نکالنا کہاں تک درست ہے جو نواصب کی جانب سے اخذ کیے گئے ہیں۔

منہجِ بحث

اس مضمون میں ہماری گفتگو کا اصل موضوع روایت کا متن اور اس میں بیان کیا گیا واقعہ ہوگا ہم اس روایت کی سند پر کوئی کلام نہیں کریں گے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اپنے استدلال میں حتی الامکان معتبر اور قابلِ اعتماد اسناد والی روایات ہی کو بنیاد بنایا جائے گا۔ اسی طرح طوالت سے بچنے کے لیے ان امور کو بار بار دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی جو ائمۂ حدیث اور معتبر مؤرخین کے ہاں معروف اور متفق علیہ تاریخی حقائق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے مقامات پر ہم اصل محلِ نزاع کی طرف براہِ راست آئیں گے، اور اگر مخالف فریق ان مسلمہ تاریخی امور کے خلاف کوئی معتبر دلیل رکھتا ہے

تو اس سے مطالبہ ہو گا کہ وہ اپنی دلیل پیش کرے۔ محض یہ کہنا کہ فلاں بات ثابت نہیں، اس وقت کافی نہیں ہو گا جب اس کے خلاف کوئی معتبر تاریخی دلیل بھی موجود نہ ہو۔

اصحابِ جمل سے متعلق ہمارا عقیدہ

اس بحث میں ہمارا منہج صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی بالکل واضح ہے۔ ہم سیدنا علی، سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہم تینوں سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ تینوں جلیل القدر صحابۂ رسول اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے نزدیک ام المؤمنین ہیں، اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا موقف محبت، ادب اور حسنِ ظن کا ہے۔

ہم ان عظیم ہستیوں کے باہمی واقعات کو کسی ایک صحابی کی تنقیص، طعن یا دشمنی کے لیے استعمال کرنے کے قائل نہیں۔ بالخصوص جو لوگ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں، ہم ان کے اس منہج سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک جمل جیسے پیچیدہ تاریخی واقعات کا مطالعہ بھی صحابۂ کرام کی عظمت، عدالت اور حرمت کو سامنے رکھتے ہوئے ہی کیا جانا چاہیے۔

ہمارا اس مسئلے میں منہج خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہج سے ہم آہنگ ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ واقعۂ جمل کے بعد بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں اصحابِ جمل، بالخصوص سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے محبت اور خیر کا جذبہ موجود تھا۔

جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے والد کے قتل کا شکوہ کیا تو **حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:**

"رہا تمہارا مال، تو وہ بیت المال میں الگ رکھا ہوا ہے، لہٰذا صبح اپنے مال کے پاس جاؤ اور اسے لے لو۔ اور رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم نے میرے والد کو قتل کیا ہے، تو میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا: {اور ہم ان کے سینوں میں جو کینہ ہوگا اسے نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر ہوں گے}۔

پس ہمدان کے ایک کانے آدمی نے کہا: "اللہ اس سے زیادہ عادل ہے۔"

علی رضی اللہ عنہ نے ایسی چیخ ماری کہ جس کی وجہ سے پورا محل گونج اٹھا۔ راوی نے کہا: پھر فرمایا: "اگر ہم ہی وہ لوگ نہیں ہوں گے تو پھر کون ہوگا؟"

📖 : محمد بن سعد، *الطبقات الکبری*، طلحہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے ضمن میں۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ کلام کسی عمومی موقع پر نہیں بلکہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے کے سامنے، ان کے والد کے قتل کے حوالے سے کہا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے آخرت میں خیر کی امید کا اظہار کیا اور انہیں ان اہلِ جنت میں شامل ہونے کی امید ظاہر کی جن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کینہ نکال دے گا۔

اور اس مفہوم کی تائید میں ایک دوسری روایت بھی منقول ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے امید ہے کہ میں، طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان کے سینوں میں موجود کینہ نکال دیں گے۔"

📖 مصنف ابن أبي شيبة

حافظ ذہبی رح فرماتے ہیں:

شعبہ نے منصور بن عبد الرحمن سے روایت کیا، انہوں نے کہا: میں نے شعبی رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا:

”میں نے پانچ سو یا اس سے بھی زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا، وہ کہتے تھے: علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔“

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی، اور بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، اور بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے ہیں، اور ان اولین سابقین میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

اور اس لیے بھی کہ ان چاروں کو قتل کیا گیا اور انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ پس ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان چاروں کو قتل کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔

📖 سیر أعلام النبلاء

اس مفہوم کے متعدد شواہد منقول ہیں۔ یہاں مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ طرزِ فکر ہمارے اپنے منہج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے: جمل میں اختلاف اور

قتال کے باوجود اصحابِ جمل کے بارے میں محبت، حسنِ ظن اور ان کے انجام کے بارے میں خیر کی امید رکھی جائے۔

لہٰذا آگے جب ہم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل سے متعلق مذکورہ روایت کا جائزہ لیں گے تو ہمارا مقصد نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کوئی الزام قائم کرنا ہوگا، نہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تنقیص، اور نہ اصحابِ جمل کے بارے میں کسی قسم کا بغض پیدا کرنا۔ ہمارا مقصد صرف واقعے کو اس کے تاریخی اور روایتی سیاق میں سمجھنا اور روایت کے متن سے وہی نتیجہ اخذ کرنا ہوگا جو اس سے حقیقتاً ثابت ہوتا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کے فقہی فیصلوں کا امت میں مقام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام کو سمجھنے کے لیے صرف ان کی خلافت یا فضائل ہی کافی نہیں، بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ شرعی فیصلوں، قضاء اور مسلمانوں کے باہمی قتال کے مسائل میں صحابۂ کرام اور بعد کے ائمہ نے ان کے طرزِ عمل کو کس مقام پر رکھا۔ خاص طور پر جنگِ جمل، جنگِ صفین اور اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عملی طرزِ عمل بعد کے فقہی احکام کی بنیاد بنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قضائی فیصلوں کو صرف بعد کے فقہاء ہی اہمیت نہیں دیتے رہے، بلکہ خود جلیل القدر صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم بھی ان کی فقاہت اور قوتِ فیصلہ کو تسلیم کرتے تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے *سیر أعلام النبلاء* میں اس سلسلے میں متعدد اقوال جمع کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

» علي أقضانا، وأبي أقرؤنا «

"ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں، اور ہم میں سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے ابیّ بن کعب ہیں۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

» کنا نتحدث أن أقضی أهل المدینة علي «

"ہم آپس میں یہ بیان کیا کرتے تھے کہ اہلِ مدینہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔"

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

» أعوذ بالله من معضلة ليس لها أبو حسن «

"میں اس مشکل مسئلے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جس کے حل کے لیے ابوالحسن موجود نہ ہوں۔"

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

» إذا حدثنا ثقة بفتيا عن علي لم نتجاوزها «

"جب کوئی ثقہ شخص ہمیں علی کی طرف منسوب کوئی فتویٰ بیان کرتا تو ہم اس سے آگے تجاوز نہیں کرتے تھے۔"

اور سفیان، کلیب کے واسطے سے جسرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے عاشوراء کے روزے کا ذکر ہوا۔ ان سے پوچھا گیا کہ ہمیں اس روزے کا حکم کون دیتا ہے؟ لوگوں نے کہا: علی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

» أما إنه أعلم من بقي بالسنة «

"خبردار! جو لوگ باقی رہ گئے ہیں، ان میں علی سنت کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔"

(یہاں ان تمام روایات کی اسنادی بحث مقصود نہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح السند ہو تو ہمارے استدلال لئے کافی ہے۔)

ہمارا مقصود صرف یہ واضح کرنا ہے کہ شرعی فیصلوں اور فقہی بصیرت کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام امت میں غیر معمولی تھا۔ وہ امت کے چند بہترین اہلِ قضاء اور اہلِ علم میں سے تھے، اور خود جلیل القدر صحابہ ان کی فقاہت اور فیصلوں کو اس مقام پر رکھتے تھے۔

علی رض کا یہ مقام اس بحث میں مزید اہم ہو جاتا ہے جب ہم مسلمانوں کے باہمی قتال، بالخصوص اہلِ تاویل و اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے مسئلے کو دیکھتے ہیں۔ اس باب میں بعد کے ائمہ اور فقہاء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عملی طریقے کو محض ایک تاریخی واقعہ نہیں سمجھا، بلکہ اسے شرعی احکام کے اخذ کرنے کے لیے بنیادی ماخذ بنایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے منہج کو بیان کرتے ہوئے امام بیہقی رحمہ اللہ *مناقب الشافعي* میں لکھتے ہیں:

» فأمّا إذا احتاج إلى تعلّم السيرة في قتال الفئة الباغية، فلا بدّ له من متابعة علي بن أبي طالب في سيرته في قتالهم «.

"پس جب کسی شخص کو باغی گروہ کے ساتھ قتال کے طریقۂ کار کو سیکھنے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کے ساتھ قتال کرنے میں علی بن ابی طالب کے طریقۂ کار کی پیروی کرے۔"

پھر فرماتے ہیں:

» ثم ولابد من أن يعتقد كونه محقًّا في قتالهم. وإذا كان هو محقًّا في قتالهم كان خصمه مخطئًا في قتاله والخروج عليه، غير أنه لم يخرج ببغيه عن الإسلام «...

"اور اس کے لیے یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ان کے ساتھ قتال کرنے میں علی حق پر تھے۔ جب وہ ان کے ساتھ قتال کرنے میں حق پر تھے تو ان کے مقابل فریق کا ان کے خلاف قتال کرنا اور ان کے خلاف خروج کرنا خطا تھا، تاہم اس بغی کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گیا"

اسی سلسلے میں ابو داؤد سجستانی رحمہ اللہ سے ایک مشہور واقعہ منقول ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کو تشیع کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یحییٰ بن معین سے فرمایا:

» تقول هذا الإمام من أئمة المسلمين ؟ «

"تم مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام کے بارے میں یہ بات کہتے ہو؟"

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے بارے میں کتاب دیکھی ہے، اور انہوں نے اس کتاب کے شروع سے آخر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے استدلال کیا ہے۔

اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

» عجباً لك! فبمن كان يحتج الشافعي في قتال أهل البغي، وأول من ابتلي من هذه الأمة بقتال أهل البغي علي بن أبي طالب؟ وهو الذي سنَّ قتالهم وأحكامهم. ليس عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا عن الخلفاء وغيره فيه سنة، فبمن كان يستن؟ «

"مجھے تم پر تعجب ہے! اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے مسئلے میں شافعی کس سے استدلال کرتے؟ اس امت میں اہلِ بغی کے ساتھ قتال کی آزمائش میں سب سے پہلے تو علی بن ابی طالب ہی مبتلا ہوئے تھے۔ اور وہی تھے جنہوں نے ان کے ساتھ قتال اور ان کے احکام کا طریقہ متعین کیا۔ اس بارے میں نہ نبی کریم ﷺ سے کوئی عملی سنت موجود تھی اور نہ دوسرے خلفائے راشدین سے۔ پھر وہ کس کی سنت اختیار کرتے؟"

📖 مناقب الشافعي للبيهقي [أبو بكر البيهقي]

یہاں امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال انتہائی اہم ہے۔ ان کے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کا اہلِ بغی کے احکام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرنا تشیع نہیں، بلکہ اس لیے ناگزیر تھا کہ اس نوعیت کی عملی صورتِ حال سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بعد کے فقہاء کے لیے محض ایک تاریخی واقعہ نہیں رہا، بلکہ اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے شرعی احکام کی عملی سنت بن گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام اور ان سے قتال کے حکم کے بارے میں واضح موقف اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

» وَهَذَا أَيْضًا يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ إِمَامَةِ عَلِيٍّ وَوُجُوبِ طَاعَتِهِ، وَأَنَّ الدَّاعِيَ إِلَى طَاعَتِهِ دَاعٍ إِلَى الْجَنَّةِ، وَالدَّاعِيَ إِلَى مُقَاتَلَتِهِ دَاعٍ إِلَى النَّارِ، وَإِنْ كَانَ مُتَأَوِّلًا «...

"اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے صحیح ہونے اور ان کی اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور یہ کہ ان کی اطاعت کی دعوت دینے والا جنت کی طرف دعوت

دینے والا ہے، جبکہ ان سے قتال کی دعوت دینے والا جہنم کی طرف دعوت دینے والا ہے، اگرچہ وہ تاویل کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔"

پھر ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید صراحت کرتے ہیں:

» دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَجُوزُ قِتَالُ عَلِيٍّ، وَعَلَى هَذَا فَمُقَاتِلُهُ مُخْطِئٌ، وَإِنْ كَانَ مُتَأَوِّلًا أَوْ بَاغٍ بِلَا تَأْوِيلٍ، وَهُوَ أَصَحُّ الْقَوْلَيْنِ لِأَصْحَابِنَا، وَهُوَ الْحُكْمُ بِتَخْطِئَةِ مَنْ قَاتَلَ عَلِيًّا، وَهُوَ مَذْهَبُ الْأَئِمَّةِ الْفُقَهَاءِ « ...

"یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کرنا جائز نہیں تھا، اور اس بنا پر ان سے قتال کرنے والا خطاکار ہے، خواہ وہ تاویل کرنے والا ہو یا بغیر تاویل کے باغی ہو۔ اور یہی ہمارے اصحاب کے دونوں اقوال میں زیادہ صحیح ہے، اور یہی ان لوگوں کو خطاکار قرار دینے کا حکم ہے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا، اور یہی ائمہ فقہاء کا مذہب ہے۔"

اسی مقام پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے درمیان امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں ہونے والی گفتگو بھی بطور مثال نقل کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سے اہلِ بغی کے قتال میں استدلال کرنے پر اعتراض کیا تو اس پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جواب دیا:

»وَيْحَكَ، وَأَيُّ شَيْءٍ يَسَعُهُ أَنْ يَضَعَ فِي هَذَا الْمَقَامِ؟ يَعْنِي إِنْ لَمْ يَقْتَدِ بِسِيرَةِ عَلِيٍّ فِي ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ سُنَّةٌ مِنَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ فِي قِتَالِ الْبُغَاةِ«.

"افسوس تم پر! اس مقام میں اس کے لیے اور کیا راستہ ہے؟ یعنی اگر وہ اس معاملے میں علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کی پیروی نہ کرے تو اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے بارے میں اس کے پاس خلفائے راشدین میں سے کسی کی سنت موجود نہیں ہوگی۔"

📖 مجموع الفتاوی / فصل في أعداء الخلفاء الراشدين والأئمة المهديين

گویا ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کو اہلِ بغی کے قتال کے باب میں بنیادی حیثیت دی، اور امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی سیرت کو خلفائے راشدین کی عملی سنت قرار دے رہے تھے۔

(اگر کسی کو امام احمد رحمہ اللہ سے منسوب اس واقعے کی سند پر اشکال ہو تو بھی اسے محض ایک تاریخی روایت کے طور پر نہیں، بلکہ امام بیہقی اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے اپنے استدلال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے؛ کیونکہ دونوں ائمہ نے اسے اپنی بحث میں نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے، اور یہی امر ہمارے مطلوبہ نکتے کے اثبات کے لیے کافی ہے۔)

اس پورے منہج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امت میں مقام واضح ہوتا ہے۔

ان کے فیصلے محض ایک عام حکمران کے فیصلے نہیں تھے، بلکہ صحابۂ کرام نے ان کی فقاہت کو تسلیم کیا، اور بعد کے ائمہ فقہ نے بالخصوص مسلمانوں کے باہمی قتال اور اہلِ بغی کے احکام میں ان کے عمل کو بنیاد بنا کر فقہی اصول مرتب کیے۔ چنانچہ جنگِ جمل و صفین میں ان کے طرزِ عمل سے اہلِ سنت نے متعدد مسائل میں رہنمائی لی، مثلاً:

- مدبر کے تعاقب کا حکم کیا ہے؟
- زخمی کو قتل کرنے کا حکم کیا ہے؟
- قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟
- عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟
- اہلِ بغی کے مقتولین اور ان کے اموال کا کیا حکم ہے؟

یعنی امت نے انہی واقعات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عملی طرزِ عمل کو دیکھ کر اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے ان بنیادی مسائل کے احکام اخذ کیے۔ لیکن عجیب امر یہ ہے کہ دورِ حاضر کے بعض نواصب، جن کے لیے اہلِ بغی کے احکام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بطورِ شرعی نمونہ پیش کرنا قابلِ قبول ہے، جب اسی عملی سنت کا ایک دوسرا پہلو سامنے آتا ہے تو اسی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن جرموز سے قصاص کیوں نہیں لیا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اہلِ بغی کے ساتھ قتال کے احکام سمجھنے کے لیے معیار ہے، تو پھر ابن جرموز کے واقعے کو بھی اسی فقہی و تاریخی منہج کے تحت کیوں نہیں دیکھا جاتا؟

فتنۂ جمل کی ایک مکروہ خصوصیت

فتنۂ جمل کو سمجھنے کے لیے ابتدا ہی میں ایک بنیادی نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا بڑا فتنہ تھا جس میں دونوں جانب مسلمان موجود تھے۔ اس سے قبل مسلمانوں کی جنگیں یا تو کفار کے ساتھ ہوئی تھیں یا مرتدین کے ساتھ، اور ان دونوں صورتوں میں قتال کے احکام باہمی قتالِ مسلمین سے مختلف ہیں، جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

یہ نکتہ اس لیے بھی اہم ہے کہ فتنۂ جمل میں شریک بہت سے بدوی قبائل کو اگرچہ سالہا سال کفار کے خلاف جنگ کرنے کا تجربہ تھا، لیکن مسلمانوں کے باہمی قتال کے احکام اور اس کی نزاکتوں سے ان کا سابقہ تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ جس ذہنی اور شرعی پس منظر میں وہ پہلے دشمن سے لڑتے آئے تھے، اسے اس نئی صورتِ حال پر منطبق کرنا درست نہیں تھا۔ یہی پس منظر آگے فتنۂ جمل کے بعض واقعات کو سمجھنے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

جنگِ جمل کا آغاز کیسے ہوا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر فتنۂ جمل تک جو حالات پیش آئے، وہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر کتابوں کی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اس لیے یہاں ہم اس پورے تاریخی سلسلے کو تفصیل سے بیان کرنے کے بجائے براہِ راست اس سوال سے آغاز کریں گے کہ جنگِ جمل عملاً کس طرح شروع ہوئی؟

اس حوالے سے متعدد تاریخی روایات بیان کی جاتی ہیں جن میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کچھ شر پسند عناصر نے رات کی تاریکی میں دونوں لشکروں کے درمیان جنگ شروع کروادی۔ تاہم ہماری تحقیق کے مطابق اس نوعیت کی روایات کی اسناد قابلِ اعتماد نہیں، بلکہ ان میں کذاب یا ناقابلِ اعتبار راوی موجود ہیں۔ ہمیں ایسی کوئی معتبر سند نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہو کہ جنگ رات کے اندھیرے میں شر پسند عناصر نے خفیہ طور پر شروع کروائی تھی۔

اس کے برعکس معتبر سند کے ساتھ ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لشکر دن کی روشنی میں آمنے سامنے تھے اور باقاعدہ طور پر قتال شروع ہوا۔

اس سلسلے میں پہلے ایک روایت ملاحظہ کیجیے۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے پوری روایت نقل کرنے کی بجائے صرف متعلقہ حصہ ذکر کر رہے ہیں:

مصنف ابن أبي شيبة میں یحییٰ بن آدم، ابو الاحوص، خالد بن علقمہ اور عبد خیر کے طریق سے روایت ہے:

» حتى إذا كان يوم الثالث عند زوال الشمس رفع علي جانب الفسطاط ثم أمر بالقتال، فمشى بعضنا إلى بعض، وشجرنا بالرماح «...

" جب تیسرے دن سورج ڈھلنے کا وقت ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے خیمے کا ایک حصہ اٹھایا، پھر قتال کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ بعض کی طرف بڑھے اور نیزوں سے ایک دوسرے پر حملہ کیا"...

اسی طرح مصنف ابن أبي شيبة ہی میں زید بن وہب رحمہ اللہ کی روایت میں صراحت ہے:

» فكف عن طلحة والزبير وأصحابهما، ودعاهم حتى بدءوه فقاتلهم بعد صلاة الظهر «

" علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ وزبیر اور ان کے ساتھیوں سے ہاتھ روکے رکھا اور انہیں دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے خود ابتدا کی، پھر آپ نے ان سے ظہر کی نماز کے بعد قتال کیا۔"

ان روایات سے واضح ہے کہ قتال دن کے وقت، زوالِ شمس کے موقع پر شروع ہوا، نہ کہ رات کی تاریکی میں۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا جنگ سے واپس ہونا

جنگِ جمل کے واقعات میں ایک مشہور واقعہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے میدانِ جنگ سے واپس لوٹنے کا ہے۔ مشہور روایت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث یاد دلائی کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب وہ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کریں گے اور اس وقت وہ زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ یہ حدیث سن کر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔ اسی طرح اکثر تاریخی روایات میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ساتھ ہی مذکور ہوتا ہے کہ انہیں مروان نے تیر مارا تھا۔

یہ دونوں واقعات اکثر ایک ہی روایت کے ضمن میں نقل ہوتے ہیں، تاہم ہمارے مخالفین ان روایات کی اسنادی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس حدیث کی متعدد اسناد کا جائزہ لیا جائے تو علامہ البانی رحمہ اللہ نے *السلسلۃ الصحیحۃ* میں اس کے متعدد طرق جمع کیے ہیں۔ ان طرق کو الگ الگ دیکھنے پر خود شیخ البانی رحمہ اللہ ہر طریق میں

موجود ضعف یا علت کی نشاندہی کرتے ہیں، لیکن متعدد طرق کو جمع کرنے کے بعد انہوں نے مجموعی طور پر اس حدیث کے متعلقہ حصے کو حسن قرار دیا ہے۔

تاہم ہمیں اس روایت کے لیے کوئی ایسی مستقل سند نہیں مل سکی جسے دیکھ کر بلا تردد کہا جا سکے کہ اس میں کوئی علت نہیں اور وہ اپنی ذات میں حسن درجے تک پہنچتی ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی تقویت مجموعۂ طرق سے ہوتی ہے۔

اسی حوالے سے *المطالب العالیۃ* کے محقق نے نا صرف اس حدیث کے ہر طرق پر نقد کیا ہے بلکہ دیگر ائمہ کے کلام کو بھی جمع کیا ہے جو اسے معتبر نہ سمجھتے تھے۔

وہ امام عقیلی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے *الضعفاء* میں حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

» الأسانيد في هذا لينة «

اسی سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے عبد الملک الرقاشی کی حدیث کے بارے میں » لم يصح حديثه « نقل کیا، اور امام عقیلی رحمہ اللہ کے ایک دوسرے مقام کے کلام کو نقل کیا:

» لا يروى هذا المتن من وجه يثبت «

پھر امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا کہ انہوں نے *العلل المتناهية* میں اس کے بعض طرق ذکر کر کے فرمایا:

» هذا حديث لا يصح «

اسی طرح امام ذہبی کہتے ہیں:

» وهذا الذي عناه الذهبي بقوله: "والحديث فيه نظر « "

پس علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ اس کی کوئی ایک مستقل سند صحیح یا حسن ہے؛ بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ اس کے متعدد طرق ہیں، جن میں انفرادی طور پر علل اور ضعف موجود ہیں، جبکہ بعض اہلِ علم نے مجموعۂ طرق کی بنا پر اس کے متعلقہ حصے کو حسن قرار دیا ہے۔

اس روایت کو بالفرض قبول کر لینے کے بعد بھی ایک اہم سوال باقی رہتا ہے: اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں موجود تھی تو جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ آمنے سامنے تھے اور دونوں کے درمیان تین دن تک مذاکرات بھی ہوتے رہے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اسی وقت کیوں نہ یاد دلائی؟

دوسرا سوال سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے تنہا واپس لوٹنے کا ہے۔ بعض تاریخی روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے خیمے میں جا کر اپنے ساتھیوں کو بھی واپس ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے اور بالآخر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ تنہا واپس لوٹ گئے۔ تاہم اس تفصیل کی اسناد بھی معتبر نہیں، اور یہ بات بھی محلِ غور ہے کہ پورے لشکر میں کوئی ایک شخص بھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی بات پر آمادہ نہ ہوا ہو۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بارے میں علی رض سے مکالمے کے مشہور واقعہ کے برعکس ایک اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جس کی سند اور متن دونوں قابلِ اعتبار ہیں۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

أخبرنا الحسن بن موسى الأشيب قال: أخبرنا ثابت بن يزيد عن هلال بن خباب عن عكرمة عن ابن عباس أنه أتى الزبير فقال: أين صفية بنت عبد المطلب حيث تقاتل بسيفك علي بن أبي طالب بن عبد المطلب؟ قال فرجع الزبير فلقيه ابن جرموز فقتله. فأتى ابن عباس عليا فقال: إلى أين قاتل ابن صفية؟ قال علي: إلى النار.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا:

"صفیہ بنت عبد المطلب کہاں ہیں، جبکہ آپ اپنی تلوار سے علی بن ابی طالب بن عبد المطلب سے قتال کر رہے ہیں؟"

اس پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے، پھر ابن جرموز نے انہیں جا کر قتل کر دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: صفیہ رضی اللہ عنہا کے قاتل کہاں گیا؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہنم کی طرف۔

📖 طبقات ابن سعد

ہمارے نزدیک سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کی معتبر وجہ یہی روایت ہے۔ سیدنا عباس رض نے انہیں دوران جنگ ہی علی رض سے قرابت اور انکی والدہ کا واسطہ دیا تو وہ لوٹ گئے۔

اگر اس روایت میں بھی کوئی ایسی معتبر علت سامنے آجائے جو اسے ناقابلِ احتجاج بنا دے تو پھر دیانت داری کے ساتھ ہمیں یہی کہنا ہو گا کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کی کوئی معتبر وجہ ہمارے پاس ثابت نہیں۔ ایسی صورت میں یہ احتمال باقی رہے گا کہ وہ جنگ کے دوران یا اختتام پر مروان کی طرح میدان سے نکل گئے تھے۔ بہر حال جب تک یہ اثر اپنی سند اور متن کے اعتبار سے قائم ہے، ہمارے نزدیک سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کو اسی کے مطابق سمجھنا زیادہ قرینِ تحقیق ہے۔

احنف بن قیس کا تعارف

اس مقام پر ایک اہم شخصیت سامنے آتی ہے : احنف بن قیس رحمہ اللہ۔ وہ احنف بن قیس بن معاویہ التمیمی السعدی، ابو بحر البصری تھے اور بنو تمیم کے نمایاں سردار شمار ہوتے تھے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے انہیں » الأمیر الکبیر، العالم النبیل، أبو بحر التمیمي « قرار دیا اور لکھا کہ وہ اپنے حلم وسیادت کے باعث ضرب المثل تھے۔ وہ عہدِ نبوی میں اسلام لائے، اگرچہ نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی؛ اسی لیے انہیں تابعین میں شمار کیا جاتا ہے۔

واقعۂ جمل کے موقع پر ان کا کردار خاص اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ وہ کسی معمولی فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی قوم، خصوصاً بنو تمیم، کے ایک باا‌ثر سردار کی حیثیت سے موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی ان سے مدد طلب کی گئی، جبکہ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا معاملہ بھی ان کے سامنے تھا۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ احنف بن قیس اس مقام تک کیسے پہنچے جہاں آگے چل کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ والا معاملہ پیش آیا؟

اس کی تفصیل خود احنف بن قیس رحمہ اللہ کی ایک روایت میں آتی ہے، جسے مصنف ابن أبي شيبة میں نقل کیا گیا ہے۔

احنف کہتے ہیں:

میں مدینہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور ان کی بیعت کرلی، پھر بصرہ واپس آگیا۔ مجھے یہی گمان تھا کہ معاملہ درست ہو گیا ہے۔

میں اسی حالت میں تھا کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

"یہ ام المؤمنین عائشہ، طلحہ اور زبیر ہیں، انہوں نے خربہ کے ایک جانب پڑاؤ کیا ہے۔"

میں نے کہا: "انہیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟"

اس نے کہا: "انہوں نے تمہیں حضرت عثمان کے خون کے معاملے میں مدد کے لیے بلایا ہے، کیونکہ وہ مظلوم قتل کیے گئے ہیں۔"

احنف کہتے ہیں" : مجھے اس سے زیادہ سخت معاملہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔"

میں نے سوچا: "اگر میں ام المؤمنین اور رسول اللہ ﷺ کے حواری، کو چھوڑ دوں تو یہ میرے لیے بہت سخت بات ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے چچازاد کے ساتھ قتال کرنا، جبکہ انہی لوگوں نے مجھے ان کی بیعت کرنے کا حکم دیا تھا، یہ بھی میرے لیے بہت سخت ہے۔"

پھر جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا:

"ہم عثمان کے خون کے معاملے میں مدد طلب کرنے کے لیے آئے ہیں، کیونکہ وہ مظلوم قتل کیے گئے ہیں۔"

میں نے کہا: "اے ام المؤمنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے آپ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ آپ مجھے کس شخص کی بیعت کرنے کا حکم دیتی ہیں؟ تو آپ نے کہا تھا: علی کی۔ پھر میں نے پوچھا تھا: کیا آپ مجھے انہی کی بیعت کرنے کا حکم دیتی ہیں اور میرے لیے انہیں پسند کرتی ہیں؟ تو آپ نے کہا تھا: ہاں۔"

انہوں نے کہا: "ہاں، لیکن وہ بدل گئے ہیں۔"

پھر میں نے کہا:

"اے زبیر! اے رسول اللہ ﷺ کے حواری! اور اے طلحہ! میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے تم دونوں سے نہیں پوچھا تھا کہ تم مجھے کس شخص کی بیعت کرنے کا حکم

دیتے ہو؟ تو تم دونوں نے کہا تھا: علی کی۔ پھر میں نے پوچھا تھا: کیا تم دونوں مجھے انہی کی بیعت کرنے کا حکم دیتے ہو اور میرے لیے انہیں پسند کرتے ہو؟ تو تم دونوں نے کہا تھا: ہاں؟"

ان دونوں نے کہا: "کیوں نہیں، لیکن وہ بدل گئے ہیں۔"

احنف کہتے ہیں:

"نہیں، اللہ کی قسم! میں تم لوگوں سے قتال نہیں کروں گا جبکہ تمہارے ساتھ ام المؤمنین اور رسول اللہ ﷺ کے حواری موجود ہیں، اور تم ہی نے مجھے ان کی بیعت کرنے کا حکم دیا تھا۔ تم میرے بارے میں تین باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لو: یا تو میرے لیے پل کا دروازہ کھول دو تاکہ میں عجمی سرزمین کی طرف چلا جاؤں، یہاں تک کہ اللہ اپنے معاملے میں جو فیصلہ کرنا چاہے کر دے؛ یا میں مکہ چلا جاؤں اور وہاں رہوں یہاں تک کہ اللہ اپنے معاملے میں جو فیصلہ کرنا چاہے کر دے؛ یا میں الگ ہو جاؤں اور قریب ہی رہوں۔"

انہوں نے کہا: "ہم باہم مشورہ کرتے ہیں، پھر تمہیں جواب بھیجتے ہیں۔"

چنانچہ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور کہا:

"اگر ہم اس کے لیے پل کا دروازہ کھول دیں تو منافق اور چھوڑ کر بیٹھ رہنے والا بھی اس کے ساتھ جا ملے گا، اور اگر یہ مکہ چلا گیا تو قریش میں ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکائے گا اور انہیں ہماری

خبریں بتائے گا۔ یہ مناسب نہیں۔ اسے یہیں قریب رکھو، جہاں تم اس کی گردن پر قدم رکھ سکو اور اسے دیکھتے رہو۔"

چنانچہ احنف بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر جلحاء کے مقام پر الگ ہو گئے، اور ان کے ساتھ تقریباً چھ ہزار افراد بھی الگ ہو گئے۔ پھر دونوں گروہ آپس میں مقابل ہوئے۔

خلاصہ :اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ احنف بن قیس رحمہ اللہ نے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ام المؤمنین عائشہ، سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہم کے مشورہ پر کی، لیکن جب ان کی کی طرف سے قتال میں شریک ہونے کی دعوت آئی تو سابقہ عہد اور باہمی اعتماد کے پیشِ نظر کسی ایک فریق کے ساتھ قتال کرنے کے بجائے خود اور اپنے ساتھ موجود تقریباً چھ ہزار افراد کو الگ کر لیا۔ اس لیے بعد میں پیش آنے والے زبیر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں احنف اور ان کے الگ ہونے والے ساتھیوں کو لشکرِ علی کا حصہ قرار دینا درست نہیں؛ یہی تفصیل آگے ابن جرموز کی حیثیت اور اس تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے احکام پہنچنے کے دعوے کو سمجھنے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

ابن جرموز کون تھا؟

اب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے طور پر مذکور شخصیت، یعنی عمیر بن جرموز کا تعارف ضروری ہے۔ تاریخی روایات میں اس کا نام عمیر / عمرو / عمیرہ بن جرموز آتا ہے اور اس کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔

یہاں بنو تمیم کے اس ماحول کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے جس سے ابن جرموز کا تعلق تھا۔ بنو تمیم کے بعض افراد کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں قبائلی مزاج اور اسلام کی نئی تعلیمات کے درمیان بعض اوقات کشمکش پائی جاتی تھی۔ اس کی ایک نمایاں مثال **ذوالخویصرہ التمیمی** کا واقعہ ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ، جو بنو تمیم سے تھا، نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

» يَارَسُولَ اللهِ، اعْدِلْ «

یعنی " **: اے اللہ کے رسول! انصاف کیجیے۔** "

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا:

»وَيۡلَكَ، وَمَنۡ يَعۡدِلُ إِذَا لَمۡ أَعۡدِلۡ؟«

یعنی " : **تیرا برا ہو! اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون انصاف کرے گا؟"**

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔“

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں “

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے پیروکاروں کے بارے میں خبر دی کہ ان کی نماز اور روزے کے مقابلے میں تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھو گے، لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اس واقعہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بنو تمیم کے بعض افراد میں **سخت مزاجی، دینی نصوص کو اپنی فہم کے مطابق لینے اور بڑے دینی معاملات میں بے باکانہ اعتراض** کا رجحان بھی پایا جاتا تھا۔ لٰہذا ابن جرموز کے کردار اور اس کے بعد کے طرزِ عمل کو دیکھتے وقت اس دور کے قبائلی ماحول اور اسلام کے ابتدائی معاشرتی اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

سیدنا زبیر کی شہادت اور ابن جرموز کے متعلق موجود بعض روایت کے متن کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ یہ خود جمل میں شریک تھا مگر ہمیں ایسی معتبر روایت نہیں ملتی جس سے ابن جرموز کا لشکرِ علی میں شامل ہونا ثابت ہو۔

اس کے بر عکس زیرِ بحث روایت بھی اسے احنف کے ساتھ الگ ہونے والے گروہ کا فرد ہی ثابت کرتی ہے۔

الطبقات الکبری لابن سعد کی روایت میں صراحت ہے:

فَاتَّبَعَهُ رَجُلَانِ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ...

" اس کے ساتھ موجود لوگوں میں سے دو آدمیوں نے اس کا پیچھا کیا"...

یہاں » مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ « کا تعلق اسی گروہ سے ہے جو احنف بن قیس کے ساتھ تھا، اور جس نے قتال سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اسی طرح مصنف ابن أبي شيبة کی روایت میں زیادہ صراحت کے ساتھ آتا ہے:

فَسَمِعَهُ عُمَيْرُ بْنُ جَرْمُوزٍ وَغُوَاةٌ مِنْ غُوَاةِ بَنِي تَمِيمٍ وَفَضَالَةُ بْنُ حَابِسٍ وَنَفِيعٌ، فَرَكِبُوا فِي طَلَبِهِ.

"عمیر بن جرموز نے یہ بات سنی، اور بنو تمیم کے شرپسندوں میں سے کچھ لوگ، نیز فضالہ بن حابس اور نفیع نے بھی یہ بات سنی، تو وہ اس کے تعاقب میں سوار ہو کر نکل پڑے۔"

یہ عبارت خاص طور پر اہم ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جرموز اور اس کے ساتھ موجود افراد احنف بن قیس کے اس گروہ میں سے تھے جو قتال سے الگ ہو چکا تھا۔

ابن جرموز نے بعد میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ان کا سر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر پہنچا، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا فرد تھا۔ سر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے کا تعلق اس بات سے تھا کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے ایک دوسرے کے مقابل لشکروں میں موجود تھے، اور ابن جرموز نے زبیر رضی اللہ عنہ کو اسی سابقہ قتال کے تناظر میں قتل کر کے ان کا سر علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ابن جرموز جمل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ موجود ثابت نہیں ہوتا، بلکہ وہ احنف بن قیس کے ساتھ الگ ہونے والے لوگوں میں مذکور ہے۔ لہٰذا نہ یہ ثابت ہے کہ اسے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے جنگ سے الگ ہونے کی اصل کیفیت کا علم تھا، اور نہ یہ کہ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا » لا یتبع مدبر « کا حکم معلوم ہوا تھا۔ یہی وہ شبہ ہے جو اس قتل کے قانونی حکم، بالخصوص قصاص کے وجوب، کو محلِ بحث بناتا ہے، جیسا کہ ہم آگے فقہی اصولوں کی روشنی میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک مشہور قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے انہیں راستے میں پناہ اور امان دی گئی، پھر قاتل نے ان کا اعتماد حاصل کیا، اور جب وہ اس سے مطمئن ہو گئے تو موقع پا کر ان پر حملہ کر دیا۔ بعض روایات میں یہ تفصیل آتی ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت سو رہے تھے، جبکہ بعض میں انہیں حالتِ نماز میں بتایا گیا ہے، اور اسی حالت میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

لیکن ہماری تحقیق کے مطابق یہ پوری تفصیل کسی معتبر سند سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس نوعیت کے واقعات غیر معتبر تاریخی روایت ہیں جن میں اکثر ایسے راویوں سے مروی ہیں جن پر جھوٹے اور متروک الحدیث ہونے کی جرح موجود ہے۔

اس کے برعکس، جو واقعہ ہمیں معتبر سند کے ساتھ پہنچا ہے، وہ اس مشہور قصے سے بالکل مختلف کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ صفوان کے مقام پر پہنچے۔ یہ خبر

پھر احنف بن قیس تک پہنچی اور اس کے بعد عمیر بن جر موز اور اس کے ساتھی ان کے تعاقب میں وہاں پہنچے۔

اس روایت کو سمجھنے کے لیے ایک اہم تاریخی پس منظر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس وقت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی حیثیت عام سپاہی کی نہیں بلکہ جنگ میں شریک لشکر کے ایک قائد کی تھی۔ تاہم احنف بن قیس اور اس کے ساتھ جو لوگ قتال سے الگ ہو گئے تھے، انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ خود جنگ سے کیوں واپس ہو رہے ہیں اور ان کے اس اقدام کا پس منظر کیا ہے۔

اسی لیے جب احنف بن قیس کو خبر دی گئی کہ زبیر رضی اللہ عنہ صفوان پہنچ گئے ہیں تو اس نے کہا:

» فما یأمن؟ جمع بین المسلمین حتی ضرب بعضهم حواجب بعض بالسیوف «

" پھر وہ کس چیز سے بے خوف رہ سکتے ہیں؟ انہوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کیا، یہاں تک کہ بعض نے بعض کی پیشانیوں پر تلواریں ماریں۔"

اس کے فوراً بعد روایت واضح کرتی ہے کہ عمیر بن جر موز، بنو تمیم کے بعض شرپسند افراد، فضالہ بن حابس اور نفیع نے یہ بات سنی اور خود ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔

روایت کا مکمل بیان یہ ہے:

» وبلغ الزبير سفوان من البصرة كمكان القادسية منكم؛ فلقيه النضر رجل من بني مجاشع، فقال: أين تذهب يا حواري رسول الله، إلي فأنت في ذمتي، لا يوصل إليك، فأقبل معه، قال: فأتى إنسان الأحنف فقال: هذا الزبير قد لقي بسفوان، قال: فما يأمن؟ جمع بين المسلمين حتى ضرب بعضهم حواجب بعض بالسيوف، ثم لحق ببيته وأهله، فسمعه عمير بن جرموز وغواة من غواة بني تميم وفضالة بن حابس ونفيع، فركبوا في طلبه، فلقوا معه النضر، فأتاه عمير بن جرموز وهو على فرس له ضعيفة، فطعنه طعنة خفيفة، وحمل عليه الزبير وهو على فرس له يقال له «ذو الخمار» حتى إذا ظن أنه قاتله نادى صاحبيه: يا نفيع، يا فضالة، فحملوا عليه حتى قتلوه «.

ترجمہ:

"اور زبیر کو بصرہ سے صفوان پہنچنے کی خبر ہوئی، جو تمہارے لیے قادسیہ کے مقام کی طرح تھا۔ وہاں انہیں نضر نامی ایک شخص ملا، جو بنو مجاشع سے تھا۔ اس نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے حواری! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میرے پاس آیئے، آپ میری پناہ میں ہیں، آپ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل پڑے۔

راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص احنف کے پاس آیا اور کہا: زبیر صفوان پہنچ گئے ہیں۔ احنف نے کہا: پھر وہ کس چیز سے بے خوف رہ سکتے ہیں؟ انہوں نے مسلمانوں کو سامنے لا کھڑا کیا، یہاں تک کہ بعض نے بعض کی پیشانیوں پر تلواریں ماریں، پھر وہ اپنے گھر اور اپنے اہل کے پاس چلے گئے۔

عمیر بن جرموز، بنو تمیم کے شر پسندوں میں سے کچھ لوگ، فضالہ بن حابس اور نفیع نے یہ بات سنی، تو وہ ان کے تعاقب میں سوار ہو کر نکل پڑے۔ وہ نضر سے جا ملے جو ان کے ساتھ تھا۔ عمیر بن جرموز ان کے پاس آیا، جبکہ وہ اپنے ایک کمزور گھوڑے پر سوار تھا، تو اس نے انہیں ایک ہلکا سا نیزہ مارا۔ زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر، جس کا نام 'ذوالخمار' تھا، سوار ہو کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ جب عمیر کو گمان ہوا کہ وہ اسے قتل کر دیں گے تو اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو پکارا: 'اے نفیع! اے فضالہ!' تو وہ دونوں بھی اس پر حملہ آور ہوئے، یہاں تک کہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔"

اس روایت کی ترتیب پر غور کیا جائے تو واقعہ کا معتبر تسلسل کچھ ایسا ہے: احنف بن قیس اور اس کے ساتھی قتال سے الگ ہو چکے تھے؛ احنف نے صرف زبیر رضی اللہ عنہ کے واپس جانے پر تعجب کا اظہار کیا اور تعاقب یا قتل کا کوئی حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد بنو تمیم کے بعض شر پسند افراد

اور ان کے ساتھیوں نے خود زبیر رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ ان کا سامنا زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا تو ان کا باہم مقابلہ ہوا، جس میں زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر قابو پا لیا اور قریب تھا کہ ابن جرموز کو قتل کر دیتے، مگر اس نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر مدد طلب کی، جس سے صورتِ حال بدل گئی اور آخر کار وہی لوگ زبیر رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے اور انہیں قتل کر دیا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل سے متعلق عاتکہ کے اشعار

یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حوالے سے عاتکہ کی طرف منسوب بعض اشعار بھی تاریخی کتب میں منقول ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ان اشعار کو نقل کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔

تاہم ان اشعار کی اسنادی حیثیت قابلِ اعتبار نہیں۔ المستدرک میں منقول سند میں ایسے راوی موجود ہیں جن کی حیثیت مجہول یا ضعیف ہے، جبکہ دیگر طرق میں بھی شدید انقطاع پایا جاتا ہے۔

ہماری تحقیق میں ان اشعار کے لیے کوئی ایسی معتبر سند سامنے نہیں آئی جس کی بنیاد پر ان کے مضمون کو قطعی تاریخی حقیقت قرار دیا جا سکے۔

مزید یہ کہ سیدہ عاتکہ کا خود اس واقعے میں شریک ہونا یا واقعۂ جمل کا براہِ راست ادراک رکھنا بھی معتبر سند سے ثابت نہیں۔ لہٰذا ان منسوب اشعار کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کی تفصیلی کیفیت ثابت کرنے کے لیے بنیادی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

چنانچہ معتبر سند سے منقول روایت ہی کو اصل قرار دینا ہو گا، جس کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور عمیر بن جرموز نے ان پر حملہ کیا، پھر مقابلے کے بعد اس کے ساتھیوں نے بھی حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ان اشعار سے منسوب تفصیلی قصے سے مختلف ہے، اور جب اشعار کی سند بھی ثابت نہیں تو انہیں معتبر روایت کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت اور مقام

طبقات ابن سعد کی روایت کے سیاق کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا قتل جنگِ جمل کے بہت بعد کسی الگ وقت میں ہوا تھا۔ لیکن تاریخی مصادر کے جائزے سے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔

ہمیں محدثین، مؤرخین اور ائمہ کے ہاں ایسا کوئی معتبر دوسرا قول نہیں ملا جس کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے دن کے علاوہ کسی بہت بعد کے وقت شہید ہوئے ہوں۔ اس کے برعکس متعدد اہلِ علم نے صراحت کی ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ یومِ جمل کو ہی شہید ہوئے۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق میں ایک سند سے نقل کیا ہے:

» قُتِلَ أبو عبد الله الزبير بن العوام بن خويلد بوادي السباع على سبعة فراسخ من البصرة، قتله ابن جرموز « .

"ابو عبد اللہ زبیر بن عوام بن خویلد رضی اللہ عنہما وادیِ سباع میں، بصرہ سے سات فرسخ کے فاصلے پر قتل کیے گئے، انہیں ابن جرموز نے قتل کیا۔"

اور اسی تاریخ دمشق میں ایک دوسری سند سے ان کے حالات میں صراحت کی:

» قُتِلَ يوم الجمل، فكان يوم الجمل يوم الجمعة لعشر خلون من جمادى الآخرة سنة ست وثلاثين، قتله ابن جرموز بوادي السباع « .

"وہ یومِ جمل کو قتل ہوئے۔ یومِ جمل جمعہ کا دن تھا، جمادی الآخرہ کی دس تاریخ، سنہ 36 ہجری۔ انہیں ابن جرموز نے وادیِ سباع میں قتل کیا۔"

اسی طرح یاقوت حموی رحمہ اللہ نے *معجم البلدان* میں وادیِ سباع کا تعارف کرتے ہوئے لکھا:

» وَوَادِي السِّبَاعِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ: بَيْنَ الْبَصْرَةِ وَمَكَّةَ، بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَصْرَةِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ «.

"اور وادیِ سباع، جس میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے، بصرہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے، اور اس کے اور بصرہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے۔"

اگر ان اقوال کو ایک ساتھ دیکھا جائے تو یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ وادیِ سباع کوئی ایسا دور دراز مقام نہیں تھا جہاں پہنچنے میں کئی دن لگتے۔ جنگِ جمل بھی بصرہ ہی کے مضافات میں واقع ہوئی تھی، اس لیے ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ میدانِ جنگ سے وادیِ سباع کا فاصلہ چند گھنٹوں کی مسافت تھا۔

لہٰذا یہ تاثر کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جنگِ جمل سے بہت عرصہ بعد کسی دور مقام پر قتل ہوئے، تاریخی شواہد سے مطابقت نہیں رکھتا۔ دستیاب اقوال کا مجموعی بیان یہی ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ یومِ جمل ہی کو جنگ کے مقام سے نکلنے کے بعد قریب واقع وادیِ سباع میں شہید ہوئے۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بعد عمیر بن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس واقعے کی روایات کے طرق کا جائزہ لیا جائے تو ان کے الفاظ میں کچھ اختلاف ملتا ہے۔

بعض روایات میں صرف اتنا ذکر ہے کہ ابن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، بعض میں اس کے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار لے کر آنے کا ذکر ہے، بعض روایات میں سر لے کر آنے کی صراحت ہے، جبکہ بعض طرق میں تلوار اور سر دونوں کا ذکر موجود ہے۔

ہماری زیرِ بحث روایت میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح ہے:

» فَحَمَلُوا عَلَيْهِ حَتَّى قَتَلُوهُ، وَجَاءَ بِرَأْسِهِ إِلَى الْبَابِ، فَقَالَ: ائْذَنُوا لِقَاتِلِ الزُّبَيْرِ، فَسَمِعَهُ عَلِيٌّ فَقَالَ: بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ، فَأَلْقَاهُ وَذَهَبَ «.

"پھر انہوں نے ان پر حملہ کیا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔ اور وہ (ابن جرموز) ان کا سر لے کر دروازے پر آیا اور کہا: زبیر کے قاتل کو اندر آنے کی اجازت دیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے سنا تو فرمایا: ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو۔ اس نے وہ پھینک دیا اور چلا گیا۔"

اگر پھر بھی کوئی اصرار کرتا ہے کہ سیدنا زبیر رض کی شہادت کا جنگ جمل کے قتال سے کوئی واسطہ نہیں تو اسے ہم انہی کی ایک من پسند روایت یاد دلوانا چاہیں گے۔ مسند احمد کی روایت ہے:

حنظلہ بن خویلد سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دو آدمی داخل ہوئے، جو عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں باہم جھگڑ رہے تھے، اور ان میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا: "میں نے انہیں قتل کیا ہے۔"

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا" : تم دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے لیے اس قتل سے دست بردار ہو جائے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: 'انہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔'"

(مفہوم و إسناده صحيح عند النوربوري)

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ صفین ہی کا تسلسل ہے اگرچہ یہاں اسکی تصریح موجود نہیں۔

البتہ جو لوگ اصرار کرتے ہیں کہ سیدنا عمار کی شہادت صفین کے دوران نہیں ہوئی اور نہ ہی شامی لشکر کے ہاتھوں ہوئی ان پر یہ سوال ضرور لوٹتا ہے کہ سیدنا عمار کے قاتلین سے قصاص کیوں نہ لیا گیا؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر قصاص نہ لینے کا الزام: نواصب تنہا نہیں!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کہ اگر ابن جرموز نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے قصاص کیوں نہ لیا؟

ہماری تلاش میں اہل سنت کے معتبر مصادر میں کسی امام کی ایسی صریح عبارت سامنے نہیں آئی جہاں انہوں نے خود ایسا اعتراض کیا ہو یا کسی اور کا ایسا اعتراض نقل کیا ہو۔

البتہ امامیوں کی ایک کتاب میں ہمیں اس اعتراض کی نسبت ایک شخص کی جانب ملتی ہے جو معتزلہ کے ایک انتہائی گمراہ فرقے کا بانی اور سرکردہ متکلم تھا، ابو اسحاق ابراہیم بن سیار النظام المعتزلی۔

نظام معتزلہ کے بڑے متکلمین میں سے تھا اور معتزلی عالم جاحظ کا استاد تھا۔ بعد میں اس کے مخصوص نظریات کے سبب اس سے منسوب ایک مستقل گروہ نظامیہ کے نام سے معروف ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے *لسان المیزان* میں اس کا تعارف کرتے ہوئے لکھا:

"ابراہیم بن سیار بن ہانئ النظام، ابو اسحاق بصری، بنو بجیر بن حارث بن عباد ضبعی کے مولیٰ تھے۔ وہ معتزلہ کے بڑے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور اس پر زندیق ہونے کا الزام تھا۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ نظام فسق کے حوالے سے مشہور تھا، نیز اس کے متعدد منفرد اور شاذ نظریات بھی ذکر کیے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے » شیخ المعتزلۃ، صاحب التصانیف « کہا اور اس کے بعض انتہائی شاذ اقوال نقل کرنے کے بعد ذکر کیا کہ ایک جماعت نے اسے کافر قرار دیا تھا۔ اسی طرح شہرستانی رحمہ اللہ نے *الملل والنحل* میں اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اسقاط حمل کے متعلق نہایت سنگین اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ الغرض، نظام معتزلہ کے انتہائی گمراہ فرقے کا بانی اور اپنے گمراہ، شاذ اور نرالے اعتقادی و تاریخی نظریات کے باعث اہلِ سنت کے نزدیک مردود شخصیت تھا۔

اسی نظام نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقعے کے ضمن میں یہ اعتراض کیا:

» قال النظام: وقد كان يجب على علي عليه السلام أن يقيده بالزبير «.

"نظام نے کہا: علی پر لازم تھا کہ وہ زبیر کے بدلے ابن جرموز سے قصاص لیتے۔ "

یہی وہ بنیادی اعتراض ہے جو آج جدید نواصب کی تحریروں میں مختلف الفاظ کے ساتھ دہرایا جاتا ہے!!

<u>دلچسپ بات یہ ہے کہ نواصب کا یہ طبقہ دوسروں پر طعن کرتا ہے کہ وہ مشاجرات صحابہ پر گفتگو کرتے ہوئے روافض کے چبائے نوالوں کی جگالی کرتے ہیں مگر خدا کی قدرت دیکھیں کہ آج اپنے من پسند اعتراض میں یہ کس کی نقل کرتے پائے گئے ہیں۔</u>

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے حوالے سے اہلِ سنت کے فقہی تعامل میں یہ بات اخذ نہیں کی گئی کہ ان کے قتل کا شرعی قصاص سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھا بلکہ اہلِ علم کے ہاں اہلِ تاویل کے باہمی قتال کے بارے میں معروف فقہی اصول یہی رہا ہے کہ ایسے قتال میں ہونے والے قتل کو عام قتلِ عمد کے احکام پر محمول نہیں کیا جاتا۔

خود ہمارے معترضین کے امام سنابلی ہندی نے 2025ء میں اس اصول کا اعتراف کرتے ہوئے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو ان شہداء میں شمار کیا ہے جو حالتِ جنگ میں شہید ہوئے اور جن کے قتل کا قصاص نہیں لیا گیا۔ ان کے الفاظ ہیں:

"شہداء کی دوسری قسم: وہ شہداء جو حالتِ جنگ میں شہید ہوئے، یعنی بوقتِ شہادت وہ کسی گروہ سے لڑنے کے لیے نکلے تھے یا لڑنے والوں کے ساتھ تھے، یا میدانِ جنگ کے آس پاس تھے اور اسی حالت میں ان کو کسی نے شہید کر دیا۔ اسلامی تاریخ میں اس نوعیت کے جو بھی شہداء گزرے ہیں ان میں سے کسی کے خون کا نہ تو قصاص لیا گیا اور نہ ہی قصاص کی مانگ کی گئی، مثلاً سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔"

یہی وہ اصول ہے جو اہلِ سنت کے فقہی تعامل میں چلا آرہا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطرف بن مازن نے انہیں معمر بن راشد سے، انہوں نے زہری سے روایت کیا، اور زہری نے کہا:

"پہلا فتنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچا، پس اس میں خون بہے اور اموال تلف ہوئے۔ چنانچہ نہ کسی خون کے قصاص میں کوئی قصاص لیا گیا، نہ کسی مال کے بارے میں تاوان لیا گیا، اور نہ کسی ایسے زخم کا بدلہ لیا گیا جو تاویل کی وجہ سے پہنچا تھا۔ البتہ اگر کسی شخص کا مال بعینہٖ مل جاتا تو وہ اس کے مالک کو دے دیا جاتا۔"

پھر امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ہمارے نزدیک زہری کا قول اسی طرح ہے۔ اس فتنے میں بہت سے خون بہے، جن میں بعض کے قاتل اور مقتول معلوم تھے، اور اس میں اموال بھی تلف ہوئے۔ پھر لوگ اس حال تک پہنچے کہ ان کے درمیان جنگ تھم گئی اور ان کے بارے میں حکم جاری ہوا۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، کسی نے کسی سے قصاص نہیں لیا، نہ کسی نے اس مال کا تاوان ادا کیا جو اس نے تلف کیا تھا۔"

📖 الأم للشافعي - ط الفكر

یہی وجہ ہے کہ اس بحث میں ہمارا پہلا سوال خود معترضین سے ہے:

وہ قرآن و سنت کے واضح دلائل سے یہ ثابت کریں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ابن جرموز سے قصاص لینا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر شرعاً واجب تھا۔

محض یہ کہنا کہ "قاتل سامنے موجود تھا، لہٰذا قصاص لینا چاہیے تھا" شرعی دلیل نہیں۔ پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ قتل شرعی اعتبار سے ایسا قتل تھا جس میں قصاص واجب ہوتا تھا، پھر یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اس قصاص کے نفاذ کی تمام شرائط موجود تھیں۔

ہم ابھی انہی شرائط اور محرکات کا ذکر کریں گے جن سے واضح ہو جائے گا کہ ابن جرموز پر حد قائم کرنا اتنا بلکل بھی سیدھا اور آسان معاملہ نہیں تھا۔

ابن جرموز نے سیدنا زبیر کو دھوکے سے قتل کیا، یہ تفصیلات معتبر سند سے ثابت نہیں۔ اس کے برعکس جو معتبر روایت ہمارے سامنے آئی ہے، اس میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت بالکل مختلف بیان ہوئی ہے۔

(اگرچہ نواصب یزید کے فضائل اور علی پر طعن کی روایات کو تلاش کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، ہو سکتا ہے انہیں غدر کے واقعہ پر کوئی معتبر سند مل جائے جو ہماری تلاش میں سامنے نہ آئی ہو)

اگر کوئی شخص ان غیر معتبر تاریخی روایات کو بھی قبول کرتا ہے جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو پہلے امان دی گئی، پھر اعتماد حاصل کیا گیا اور اس کے بعد انہیں نیند یا نماز کی حالت میں قتل کیا گیا، تو بھی معاملہ اتنا سادہ نہیں۔

ابن جرموز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا فرد نہ تھا وہ احنف بن قیس رحمہ اللہ کے ساتھ الگ ہونے والے لوگوں میں سے تھا اور پہلی مرتبہ اسی واقعے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی تمام تفصیلات سرے سے ہی معلوم نہ تھیں۔ یہ واقعہ ایک وادی میں تعاقب کے دوران چند افراد کے مابین پیش آیا۔

کسی معتبر روایت میں یہ تصریح نہیں کہ ابن جرموز نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آکر اپنے فعل کی پوری تفصیل بیان کی ہو، یا یہ بتایا ہو کہ اس نے پہلے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو امان دی، پھر ان کا اعتماد حاصل کیا اور اس کے بعد انہیں دھوکے سے قتل کیا۔

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جو بات تھی، وہ زیادہ سے زیادہ یہی تھی کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے واپس جاتے ہوئے ابن جرموز اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

یاد رہے کہ محتاط تحقیق کے مطابق بھی جنگِ جمل تقریباً تین گھنٹے جاری رہی اور اس میں مقتولین کی تعداد تین ہزار کے قریب بیان کی گئی ہے، جیسا کہ شیخ اسماعیل ریحان صاحب نے بھی **تاریخِ امتِ مسلمہ** میں ذکر کیا ہے۔ جو لوگ مقتولین کی تعداد صرف 200 بیان کرتے ہیں، انہیں جنگ کی ہولناکی اور اس میں ہونے والی خونریزی کا کوئی ادراک نہیں۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن ایک ایسے وقت میں جب ابھی ابھی مسلمانوں کے دو لشکروں کے درمیان قتال ہوا تھا، متعدد افراد قتل ہوئے تھے اور مختلف لوگوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس جنگ میں حصہ لیا تھا، محض

ایک شخص کے سامنے آجانے کی بنیاد پر، بغیر دعویٰ، بغیر شہادت اور بغیر واقعے کی مکمل تحقیق کے اس پر قصاص نافذ کر دینا نہ شرعی تحقیق کا تقاضا تھا نہ عدل کا۔ خصوصاً جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے بعد عام معافی کا اعلان کیا، قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا، لوگوں کا مال و سامان واپس کرنے کی ہدایت کی اور عورتوں کی عزت و تکریم کو برقرار رکھا، تو ایسے ماحول میں اگر وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو محض اس بنیاد پر قصاصاً قتل کر دیتے کہ اس نے مخالف لشکر کے ایک بڑے قائد کو قتل کیا ہے، تو ان کے اپنے لشکر کے لیے یہ طرزِ عمل نہایت غیر معمولی اور ان کے اعلان کردہ عمومی عفو و درگزر سے متناقض ہوتا۔ یہ کیسے قرینِ انصاف ہو سکتا تھا کہ مخالف لشکر کے عام افراد کے لیے عفو و امان اور حسنِ سلوک کا حکم ہو، لیکن ایک شخص کو جس کے قتل کی شرعی کیفیت اور اس پر قصاص کی تمام شرائط بھی ثابت نہ ہوں، فوراً قتل کر دیا جائے؟

اگر واقعی یہ ثابت ہوتا کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو پہلے امان دی گئی تھی اور پھر عہد شکنی کر کے دھوکے سے قتل کیا گیا، تو اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے متعلقہ فریق کی طرف سے باقاعدہ دعویٰ اور اس کے ثبوت کا معاملہ سامنے آتا۔ لیکن جب خود یہ تفصیل معتبر سند سے ثابت نہیں، تو اس غیر ثابت شدہ واقعے کو قصاص کے وجوب کی بنیاد بنانا درست نہیں۔

دوسری صورت وہ ہے جو معتبر اسناد سے ہمارے سامنے آتی ہے جس میں ابن جرموز اور اس کے ساتھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا تعاقب کرتے ہیں، ان تک پہنچتے ہیں، ابن جرموز ان پر وار کرتا ہے، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس پر حملہ کرتے ہیں، پھر وہ اپنے ساتھیوں کو بلاتا ہے اور وہ مل کر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرتے ہیں۔

اس صورت میں بھی اسے عام شہری کے قتل کی طرح دیکھنا درست نہیں، کیونکہ یہ پورا واقعہ فتنۂ جمل اور مسلمانوں کے باہمی قتال کے پس منظر میں پیش آیا تھا۔ ابن جرموز کے سامنے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اسی حال میں تھے کہ وہ ابھی ایک مسلح لشکر کے قائد کی حیثیت سے میدانِ جمل سے نکلے تھے، اور ابن جرموز کے اپنے فریق سے ان کے تعلق، ان کی واپسی کی اصل وجہ، اور جنگ کے بعد ان کے بارے میں جاری احکام کی تمام تفصیلات سے آگاہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔

خصوصاً یہ بھی ثابت نہیں کہ ابن جرموز کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ان احکام کا علم تھا جن میں مدبر کا پیچھا نہ کرنے، زخمی کو قتل نہ کرنے اور اسلحہ چھوڑ دینے والے کو امان دینے کی ہدایات دی گئی تھیں۔

لہذا اس صورت میں بھی محض یہ کہنا کہ "ابن جرموز نے زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، پس علی رضی اللہ عنہ پر قصاص واجب تھا "شرعی طور پر مکمل استدلال نہیں۔ پہلے یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ ابن جرموز کا فعل کس شرعی نوعیت کا تھا، وہ کس حالت میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا، اسے کیا معلوم تھا، اور کیا وہ قتلِ عمد موجبِ قصاص کے تمام شرعی اوصاف رکھتا تھا یا نہیں؟

جہاں تک بات جنگ سے لوٹتے ہوئے شخص کا پیچھا کر کے اسے شہید کرنے کی ہے تو اس میں بھی تفصیل ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، جنگِ جمل اسلامی تاریخ کا وہ پہلا بڑا فتنہ تھا جس میں مسلمانوں کو مسلمانوں ہی کے ساتھ مسلح قتال کی ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا جس کے لیے پہلے کے جنگی تجربات براہِ راست کافی نہیں تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی بڑی جنگیں کفار یا مرتدین کے خلاف تھیں، جبکہ یہاں دونوں جانب مسلمان موجود تھے۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عملی فیصلوں سے مسلمانوں کے باہمی قتال کے وہ شرعی ضوابط واضح ہوئے جنہیں بعد کے فقہاء نے اہلِ بغی کے احکام میں بنیاد بنایا۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی متعدد روایات اس بات کی گواہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو یہ سمجھانا پڑا کہ ان کے مخالفین کافر نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔

زید بن وہب رحمہ اللہ سے مروی روایت میں آتا ہے کہ جنگِ جمل کے اختتام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا:

"کسی زخمی کو پورا نہ کرو، کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرو، اور جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اور اپنا ہتھیار ڈال دے، وہ امن میں ہے۔"

پھر زید بن وہب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ صرف اسی شام تک جاری رہی۔ اگلے دن لوگ مالِ غنیمت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی آیت پڑھی:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ

پھر فرمایا کہ تم میں سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا حصہ کس کے لیے ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سبحان اللہ! وہ تو ہماری ماں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا وہ حرام ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ پس ان کی بیٹیوں میں سے بھی وہی حرام ہے جو خود ان سے حرام ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا مقتولین کی بیویاں چار ماہ دس دن عدت نہیں گزاریں گی؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ فرمایا کہ کیا ان کے شوہروں کے ترکے میں ان کے لیے چوتھائی اور آٹھواں حصہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر یتیموں کا کیا معاملہ ہے کہ وہ اپنے مال نہیں لے رہے؟

پھر فرمایا" : اے قنبر! جس شخص کو کوئی چیز پہچان میں آئے، وہ اسے لے لے۔"

زید بن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لشکر میں جو کچھ تھا اور اس کے علاوہ جو کچھ تھا، سب واپس کر دیا گیا۔

یہاں تک کہ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص ایک ایسے برتن کو لے گیا جس میں کھانا پکایا جا رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے چھوڑ دو تاکہ اس میں موجود کھانا پک جائے، مگر اس نے برتن کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور اسے اٹھالیا۔

یہ واقعہ اس بات کو بالکل واضح کرتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے لشکر کے بعض افراد بھی ابتدائی طور پر جنگِ جمل کو عام جنگ سمجھ کر مالِ غنیمت کے احکام جاری کرنا چاہتے تھے، جیسے کفار کے خلاف جنگ میں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس تصور

سے روکا اور عملاً واضح کیا کہ سامنے والا فریق مسلمان ہے، اس لیے ان کے اموال اور اہل و عیال کے احکام کفار کے احکام جیسے نہیں۔

تاریخ کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کے باہمی قتال کے یہ اصول قائم کیے، لیکن بعد میں انہی کے اپنے لشکر سے نکلنے والے خوارج نے انہی اصولوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اعتراض بنالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج کے ساتھ مناظرہ السنن الکبری للنسائی میں منقول ہے۔ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنا دوسرا اعتراض یہ پیش کیا:

» وأما الثانية، فإنه قاتل، ولم يسب، ولم يغنم، إن كانوا كفارًا لقد حل سبيهم، ولئن كانوا مؤمنين ما حل سبيهم ولا قتالهم «.

انہوں نے کہا:

"اور دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے جنگ کی، لیکن نہ انہیں قیدی بنایا اور نہ ان کا مالِ غنیمت لیا۔ اگر وہ کافر تھے تو ان کو قیدی بنانا ان کے لیے حلال تھا، اور اگر وہ مؤمن تھے تو نہ ان کو قیدی بنانا حلال تھا اور نہ ان سے جنگ کرنا۔"

یہ اعتراض دراصل اسی ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے جو مسلمانوں کے باہمی قتال کو صرف دو خانوں میں تقسیم کرنا چاہتی تھی: یا سامنے والا کافر ہے، پھر اس کے خلاف جنگ کے تمام احکام جاری ہوں گے؛ یا وہ مؤمن ہے، پھر اس سے قتال ہی جائز نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل نے اس سے بالکل مختلف تیسری صورت واضح کی تھی: مسلمان باغی یا متأول ہو سکتا ہے، اس سے قتال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کا اسلام ختم نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ کفار جیسے احکام نہیں کیے جاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج کے اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"رہا تمہارا یہ کہنا کہ اس نے جنگ کی، لیکن نہ قیدی بنایا اور نہ مالِ غنیمت لیا، تو کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی قیدی بناؤ گے؟ کیا تم ان کے بارے میں بھی وہی کچھ حلال سمجھو گے جو دوسری عورتوں کے بارے میں حلال سمجھتے ہو، حالانکہ وہ تمہاری ماں ہیں؟ اگر تم کہو کہ ہم ان کے بارے میں بھی وہی کچھ حلال سمجھتے ہیں جو دوسری عورتوں کے بارے میں حلال سمجھتے ہیں تو تم کافر ہو گئے، اور اگر تم کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہیں تو بھی تم کافر ہو گئے۔"

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

"نبی مؤمنوں کے لیے خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کی ازواج ان کی مائیں ہیں۔"

پھر فرمایا:

"پس تم دو گمراہیوں کے درمیان ہو، اب اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیش کرو۔ کیا تم اس معاملے سے نکل گئے؟"

انہوں نے کہا" :ہاں۔"

اس پورے واقعے سے ایک بنیادی اصول سامنے آتا ہے :جنگِ جمل اور صفین کے بعد بھی بعض لوگوں کے لیے یہ بات قابلِ فہم نہیں تھی کہ مسلمان کے خلاف قتال اور مسلمان کے کافر ہونے کے درمیان ایک شرعی تیسری صورت بھی موجود ہے۔

خلاصہ :ان واقعات سے کم از کم یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کے باہمی قتال کے احکام ہر شخص کے لیے اتنے واضح نہیں تھے کہ ہر صورت کا حکم فوراً متعین ہو۔ خود بعد کے خوارج تک یہ شبہ موجود رہا کہ مسلمان کے خلاف قتال اور اس کے مسلمان رہنے کی صورت بیک

وقت کیسے ممکن ہے۔ لہٰذا ابن جرموز کے معاملے میں بھی شبہ کی گنجائش کو نظر انداز کر کے اسے آج کے واضح فقہی احکام کی روشنی میں دیکھنا درست نہیں۔

اگرچہ بعد کے فقہا نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے جیسے ہم اگلے باب میں ذکر کریں گے۔

جنگ سے پیٹھ پھیرنے والوں کا تعاقب: ائمہ اربعہ کے ہاں اختلاف

یہاں ایک اہم نکتہ سامنے رکھنا ضروری ہے کہ جنگ سے پیٹھ پھیر کر واپس جانے والے اہلِ بغی کا تعاقب کیا جائے یا نہیں، یہ ایسا مسئلہ نہیں جس میں بعد کے آئمہ فقہ کا کوئی متفقہ موقف ہو بلکہ خود ائمہ اربعہ کے درمیان اس مسئلے میں واضح اختلاف موجود ہے۔

وزیر ابن ہبیرہ رحمہ اللہ *الإفصاح عن معاني الصحاح* میں فرماتے ہیں:

» واختلفوا: في اتباع مدبرهم، والإجهاز على جريحهم «.

"علماء کا اختلاف ہے کہ ان کے پیٹھ پھیر کر جانے والے کا تعاقب کیا جائے اور ان کے زخمی کو قتل کیا جائے یا نہیں۔"

پھر وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف بیان کرتے ہیں:

» فقال أبو حنيفة: إذا كانت لهم فئة يرجعون إليها جاز ذلك «.

"امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر ان کے پاس کوئی ایسا گروہ موجود ہو جس کی طرف وہ واپس جاسکتے ہوں تو ان کا تعاقب کرنا جائز ہے۔"

جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا موقف بیان کرتے ہیں:

» وقال مالك والشافعي وأحمد: لا يتبع مدبرهم ولا يجهز على جريحهم ولا يقتل أسيرهم «.

"امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ نے فرمایا: ان کے پیٹھ پھیر کر جانے والے کا تعاقب نہیں کیا جائے گا، ان کے زخمی کو پورا نہیں کیا جائے گا اور ان کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔"

اسی مسئلے کی مزید تفصیل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہاں بھی ملتی ہے۔

واختلفوا في قتل أسيرهم واتباع مدبرهم والتذفيف على جريحهم إذا كان لهم فئة يلجئون إليها. فجوز ذلك أبو حنيفة ومنعه الشافعي وهو المشهور في مذهب أحمد، وفي مذهبه وجه أنه يتبع مدبرهم في أول القتال.

وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اہلِ بغی کے پاس کوئی ایسا گروہ ہو جس کی طرف وہ پناہ لے سکتے ہوں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس صورت میں مدبر کے تعاقب کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں مشہور قول ہے۔ البتہ ان کے مذہب میں ایک قول یہ بھی ہے کہ جنگ کے آغاز میں ان کے بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے۔

اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک جب باغی پیٹھ پھیر کر بھاگ رہا ہو اور اس کی پشت پر کوئی ایسی جماعت موجود نہ ہو جس میں وہ دوبارہ شامل ہو کر قتال شروع کر سکے تو اس کا قتال کا مقصد ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے پیچھے ایک مضبوط فئہ موجود ہو جس میں پہنچ کر وہ دوبارہ جنگ شروع کر سکتا ہے تو بعض فقہاء کے نزدیک اس کا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔

امام سرخسی رحمہ اللہ المبسوط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یومِ جمل کا حکم نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

» وبلغنا عن علي رضي الله عنه أنه قال يوم الجمل: لا تتبعوا مدبرًا، ولا تقتلوا أسيرًا، ولا تذففوا على جريح، ولا يكشف ستر، ولا يؤخذ مال «.

"ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے جنگِ جمل کے دن فرمایا: کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرو، کسی قیدی کو قتل نہ کرو، کسی زخمی کو پورا نہ کرو، کسی پردے کو نہ ہٹاؤ اور کوئی مال نہ لیا جائے۔"

پھر امام سرخسی رحمہ اللہ اسی کے ساتھ فقہی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ اگر اہلِ بغی کی کوئی ایسی جماعت باقی ہو جس کی طرف بھاگنے والے واپس جا سکتے ہوں تو صورت بدل جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

» فإن بقي لهم فئة، فإنه يتبع مدبرهم «

"اگر ان کے لیے کوئی جماعت باقی ہو تو ان کے پیٹھ پھیرنے والے کا تعاقب کیا جائے گا۔"

ان کی علت یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان کا بھاگنا دراصل جنگ سے دستبرداری نہیں بلکہ اپنی جماعت کے ساتھ دوبارہ مل کر قتال جاری رکھنے کے لیے ہے۔

یہاں ہماری بحث کے لیے اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ "مدبر" کے حکم کو ائمہ نے ایک ہی صورت پر محمول نہیں کیا۔ خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک سے زیادہ تفصیلات منقول ہیں۔

اسی لیے کسی ایک تاریخی واقعے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر فریق کا ہر فرد جنگ کے بعد دوسرے فریق کے ہر شخص کے بارے میں یکساں حکم جانتا تھا یا اس کی خلاف ورزی کرنے والا لازماً قصاص کا مستحق ہو جاتا تھا۔ **خود فقہاء کے ہاں مدبر کے تعاقب کے حکم میں اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ سے پیٹھ پھیرنے والے ہر شخص کی صورت یکساں نہیں سمجھی گئی۔** بعض فقہاء کے نزدیک اگر وہ کسی ایسی جماعت کی طرف جارہا ہو جہاں پہنچ کر دوبارہ قتال کرسکتا ہو تو اس کا تعاقب کیا جاسکتا ہے، جبکہ دوسری صورت میں اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ اسی فقہی اختلاف کی بنا پر مدبر کو قتل کرنے والے کے قصاص کے بارے میں بھی فقہاء نے اختلاف ذکر کیا ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے *المغني* میں لکھا:

» وَالثَّانِي: لَا يَجِبُ؛ لِأَنَّ فِي قَتْلِهِمْ اخْتِلَافًا بَيْنَ الْأَئِمَّةِ، فَكَانَ ذَلِكَ شُبْهَةً دَارِئَةً لِلْقِصَاصِ «

یعنی " **: دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص واجب نہیں؛ کیونکہ ان کے قتل کے مسئلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، لہٰذا یہ ایسا شبہ ہے جو قصاص کو ساقط کر دیتا ہے۔"**

اسی طرح امام رملی رحمہ اللہ نے *نهاية المحتاج* میں مدبر کے بارے میں صراحت کی ہے » **: فلو قتل واحد فلا قود لشبهة أبي حنيفة «**، یعنی اگر کسی ایک کو قتل کر دیا جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی وجہ سے پیدا ہونے والی شبہہ کے سبب قصاص نہیں ہو گا۔

اسی طرح حجاوی رحمہ اللہ *الإقناع* میں فرماتے ہیں » :فإن قتل مدبرهم أو جريحهم فلا قود للاختلاف في ذلك « ،یعنی اگر ان کے مدبر یا زخمی کو قتل کر دیا جائے تو قصاص نہیں ہو گا، کیونکہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

لہٰذا اگر آج کے دور میں بھی کسی مدبرِ اہلِ بغی کا قتل واقع ہو جائے، تو ان فقہی اصولوں کی روشنی میں قصاص کے عدمِ وجوب کی ایک مضبوط فقہی بنیاد موجود ہے؛ کیونکہ ان ائمہ کی بیان کردہ علت ہی یہ ہے کہ مدبر کے قتل کے حکم میں فقہی اختلاف موجود ہے، اور یہ اختلاف قصاص کو ساقط کرنے والی شبہہ شمار ہوتا ہے۔

اگرچہ ہم یہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے برعکس دیگر ائمہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ کسی شخص کے دل کے حال اور اس کے آئندہ ارادے کا ہمیں علم نہیں؛ اس لیے محض قیاس کی بنیاد پر اسے قتل کرنا ایک قبیح فعل ہے۔ اگر اس کی طرف سے اتنا ہی خطرہ ہو تو اسے گرفتار کر کے اطاعت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں ائمہ کے اسی اختلاف کو مروان بن حکم اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے بھی مزید واضح کیا جا سکتا ہے۔ دونوں ہی جنگِ جمل کے بعد میدان سے الگ ہوئے، لیکن دونوں

کی صورتِ حال یکساں نہیں تھی۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئیں، جبکہ مروان بن حکم بعد میں شام کی طرف چلا گیا اور دوسری جماعت میں شامل ہو گیا، جہاں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کا حصہ بنا۔ اس کے بعد مروان نے جو سیاسی و عسکری کردار ادا کیا، وہ اہلِ علم اور تاریخ کے قارئین سے مخفی نہیں۔

یہاں ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابن جرموز نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بجائے مروان بن حکم کو، جو بعد میں اسی فریق کے ساتھ دوبارہ قتال میں شریک ہوا، قتل کیا ہوتا، تو کیا اس صورت میں بھی اس پر قصاص لازم قرار دیا جاتا؟

جیسا کہ ہم بتا چکے کہ احنف بن قیس کے ساتھیوں تک کوئی ایسی معلومات نہ تھی جس سے وہ تمیز کر سکتے کہ کون صرف جنگ سے فرار ہو رہا ہے اور کون واقعی اپنے عمل سے رجوع کر چکا ہے۔

قتل پر سخت ناراضی، لیکن قصاص نہ لینا

جہاں تک کسی قتل پر شدید ناراضی کے باوجود قصاص نہ لینے کا تعلق ہے، اس کے لیے ہم عہدِ نبوی ﷺ سے ایک واقعہ بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

تنبیہ: یہ واقعہ صرف مثال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ ہمارا مقصد اس کے ذریعے ابن جرموز کے فعل کو درست قرار دینا یا اس کے قبیح فعل کا دفاع کرنا نہیں، بلکہ یہ دکھانا ہے کہ کسی قتل پر شدید ناراضی اور اس فعل کو سخت ناپسند کرنے کے باوجود ہر صورت میں قصاص لینا لازم نہیں ہوتا۔ اسی اعتبار سے یہ واقعہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کو سمجھنے میں بطور مثال پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حُرَقات کی طرف ایک سریہ میں بھیجا۔ جب ان لوگوں کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے۔ ہم نے ایک شخص کو جا لیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے کہا:

"لا إله إلا الله"

اس کے باوجود ہم نے اسے مارا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا۔

پھر میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن 'لا إله إلا الله' کے مقابلے میں تمہارا کون ہو گا؟"

میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اس نے تو صرف تلوار کے خوف سے یہ کلمہ کہا تھا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے یہ کلمہ اسی وجہ سے کہا تھا یا نہیں؟ قیامت کے دن 'لا إلہ إلا اللہ' کے مقابلے میں تمہارا کون ہو گا؟"

آپ ﷺ مسلسل یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"میں نے تمنا کی کہ کاش میں اس دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔"

(بخاری، مسلم، ابو داؤد)

یہ حدیث اس بحث میں ایک اہم اصولی مثال ہے۔ حالتِ جنگ میں دشمن کے شکست کھا کر بھاگنے پر اس کا تعاقب کرنا اس دور کی جنگی کارروائی کا معمول تھا؛ خود اس واقعے میں دشمن کے بھاگنے کا ذکر ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو تعاقب کر کے جا لیا۔ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جو آخری وقت میں کلمۂ توحید پڑھ رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس اجتہاد کو انتہائی سختی سے ناپسند فرمایا۔ آپ ﷺ نے بار بار انہیں متنبہ کیا اور ان کے عمل پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما پر قصاص نافذ نہیں کیا۔

(بعض روایات میں ایک غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے ان کی اسنادی حیثیت معتبر بھی مان لی جائے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے قتل پر قصاص لازم ہونا لازمی نہیں، احکام مختلف ہو سکتے ہیں)

یہی اس مثال کا محلِ استدلال ہے: کسی قتل پر شرعی حاکم کی شدید ناراضی، قاتل کے عمل کو غلط قرار دینا اور اس کے باوجود قصاص نافذ نہ کرنا، یہ تینوں چیزیں بیک وقت ممکن ہیں۔ لہٰذا یہ اصول قائم نہیں کیا جا سکتا کہ جس قتل پر حاکم نے ناراضی کا اظہار کیا، لازماً اس قاتل سے قصاص لینا بھی واجب تھا۔

دوبارہ واضح کر دوں کہ اس واقعے کو ابن جرموز کے فعل کی صحت یا جواز کی دلیل بنانا ہمارا مقصد نہیں؛ دونوں واقعات اپنی اپنی قانونی اور شرعی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں اس واقعہ سے صرف یہ اصولی نکتہ لیا جا رہا ہے کہ شدید ناراضی اور قصاص کے وجوب میں لازمی تلازم نہیں ہے اگر معاملہ مشتبہ ہو تو قصاص کا ساقط ہونا خود سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

«بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ» کا مفہوم اور قصاص کا سوال

یہی وہ اصل نکتہ ہے جس کی ظاہریت کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابن جرموز کے بارے میں فرمایا» :بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ «

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے قصاص نہ لیا؟ اگر اس شخص کا انجام جہنم تھا تو بظاہر اس کے قتل کا جرم بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جس پر فوراً قصاص لیا جاتا۔

ہم علی رض کے جانب علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتے لہٰذا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ابن جرموز کی ذات کے بارے میں ایک قطعی اخروی خبر سمجھا جائے، تو اس کی بنیاد وہ علم ہونا چاہیے جو انہیں رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوا تھا۔ اور بعض طرق میں یہی قرینہ موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ سے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنی ہوئی خبر بیان کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے اخروی وعید کا ہونا اور اس پر دنیا میں قصاص کا لازم ہونا دو الگ چیزیں ہیں۔ ایک شخص کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو سکتا ہے جس پر آخرت میں سخت وعید آئی ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں ہر حال میں اس پر قصاص بھی جاری کیا جائے۔

کئی ایک مثالیں موجود ہیں جہاں ایک مسلمان کا عمل ظاہری طور پر مثالی تھا مگر رسول اللہ نے بتایا کہ اسکا انجام عبرتناک ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

» الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ، فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ « .

یعنی ایک شخص مالِ غنیمت کے لیے لڑتا ہے، دوسرا نام و شہرت کے لیے لڑتا ہے اور تیسرا اس لیے لڑتا ہے کہ اس کی بہادری دیکھی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو اس لیے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، وہی اللہ کی راہ میں ہے۔"

اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اور انتہائی واضح حدیث میں بیان فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کے بارے میں فیصلہ ہو گا، ان میں ایک وہ شخص ہو گا جسے دنیا میں شہید سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، پھر پوچھے گا کہ تم نے ان نعمتوں کے ساتھ کیا کیا؟

وہ کہے گا:

"میں نے تیری خاطر جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

» كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ: جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ «

"تو نے جھوٹ کہا، بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا کہ کہا جائے کہ یہ بڑا بہادر ہے، اور یہ بات کہی جا چکی۔"

پھر اسے جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔

یہاں ایک شخص بظاہر شہادت کی حالت میں قتل ہوا، مگر اس کی نیت ایسی تھی کہ اس کا انجام جہنم قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری عمل اور اس پر مرتب ہونے والے اخروی حکم کے درمیان نیت کا بنیادی کردار ہے۔

اسی طرح خیبر کے واقعے میں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور ایک تیر لگنے سے مارا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے دیکھ کر کہا:

"یا رسول اللہ! اس کے لیے شہادت مبارک ہو۔"

لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

» كَلَّا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ الشَّمْلَةَ لَتَلْتَهِبُ عَلَيْهِ نَارًا «

"ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! وہ چادر جو اس نے مالِ غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے لے لی تھی، اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔"

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہری انجام دیکھ کر اسے شہید سمجھا، مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کے عمل کے پس پردہ موجود جرم کی وجہ سے اس کے انجام کی حقیقت واضح کر دی۔

اسی طرح غزوۂ حنین کے موقع پر ایک شخص کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے انتہائی بہادری سے لڑتے دیکھا اور اس کے بارے میں کہا کہ آج ہماری طرف سے کسی نے اس شخص جیسا کارنامہ انجام نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

» أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ «

"خبردار! وہ جہنمی ہے۔"

بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شدید زخمی ہوا اور موت جلد آنے کی خواہش میں اپنی تلوار پر گر کر خودکشی کر بیٹھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

» إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ « ...

"آدمی لوگوں کو بظاہر اہلِ جنت کا عمل کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، حالانکہ وہ اہلِ نار میں سے ہوتا ہے"...

یہاں ان جہلا کے اعتراض کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے جو ابن جرموز کے لیے جہنم کی وعید کو بنیاد بنا کر یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس لشکر کے فرد کو جہنم کی بشارت ہو وہ لشکر کیسے حق پر ہو سکتا ہے!!

جب ایک واحد فرد کے بارے میں موجود وعید کو ایک گروہ پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسے ہی تباہ کن نتائج سامنے آتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فرامین دیکھتے ہوئے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اخروی وعیدوں کا تعلق انسان کے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ اسکی نیت پر بھی ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ابن جرموز کی یہ کیفیت بھی منقول ہے کہ وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قربت اور پذیرائی کی توقع رکھتا تھا، مگر اسے اس کے برعکس جہنم کی وعید سنائی گئی۔ قتل کے علاوہ اس کا ایک اور قبیح فعل سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کی توہین بھی تھا، اور ایسے عمل سے شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

سیدنا عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار اور مُثلہ کرنے سے منع فرمایا۔"

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا

"میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا۔"

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما نے انہیں یناق نامی بطریق کا سر لے کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب وہ پہنچے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس عمل پر نکیر فرمائی۔

عقبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ، فَإِنَّهُمْ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ بِنَا

"اے خلیفہ رسول اللہ! وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔"

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَفَاسْتِنَانٌ بِفَارِسَ وَالرُّومِ؟ لَا يُحْمَلُ إِلَيَّ رَأْسٌ، فَإِنَّمَا يَكْفِي الْكِتَابُ وَالْخَبَرُ

"کیا فارس اور روم کی پیروی کی جائے گی؟ میرے پاس کوئی سر نہ لایا جائے، میرے لیے خط اور خبر ہی کافی ہے۔"

اگرچہ ابن جرموز کا اصل فعل بہر حال سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا قتل تھا، جو اپنی جگہ قابلِ مذمت ہے، تاہم ان کا سر کاٹ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس لانا بھی لاش کی بے حرمتی کا ایک الگ قبیح فعل تھا۔ اور اس کے بعد اس کا خود یہ کہنا کہ وہ زبیر رضی اللہ عنہ کا سر علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس گمان سے لایا تھا کہ اس کے ذریعے ان کا قرب حاصل کرے گا، اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس کے اس عمل میں ذاتی دنیاوی منفعت اور علی رضی اللہ عنہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش بھی شامل تھی، اور یہ اس کی اخروی وعید کو سمجھنے میں ایک اہم قرینہ ہے۔

ابن جرموز کا انجام کیا ہوا؟

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل عمیر بن جرموز کے انجام کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں چند مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے » بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ « سننے کے بعد وہ اس قدر نادم ہوا کہ خودکشی کرلی۔ بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ وہ بعد میں خوارج میں شامل ہو گیا اور نہروان کے واقعے میں قتل ہوا۔

لیکن ان دونوں اقوال کے مقابلے میں ائمہ تاریخ ورجال نے ایک دوسرے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان روایات کو رد کرتے ہوئے صراحت کی:

» والصحيح أنه عمر بعد علي حتى كانت أيام ابن الزبير «

" صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بھی زندہ رہا، یہاں تک کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا زمانہ آگیا۔"

اسی طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے *سیر أعلام النبلاء* میں علی بن مدینی رحمہ اللہ کے واسطے سے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

» جاء ابن جرموز إلى مصعب بن الزبير - يعني لما ولي إمرة العراق لأخيه الخليفة عبد الله بن الزبير - فقال: أقدني بالزبير، فكتب في ذلك يشاور ابن الزبير، فجاءه الخبر: أنا أقتل ابن جرموز بالزبير؟ ولا بشسع نعله «.

"ابن جرموز مصعب بن زبیر کے پاس آیا، جب مصعب اپنے بھائی خلیفہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے عراق کا والی مقرر ہوا۔ ابن جرموز نے کہا: زبیر کے بدلے مجھ سے بدلہ لے لو۔ مصعب نے اس معاملے میں اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر سے مشورہ کرنے کے لیے لکھا۔ جواب آیا: کیا میں ابن جرموز کو زبیر کے بدلے قتل کروں؟ وہ تو ان کی جوتی کے تسمے کے برابر بھی نہیں"!

اس کے بعد حافظ ذہبی رحمہ اللہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

» أكل المعثر يديه ندماً على قتله، واستغفر، لا كقاتل طلحة، وقاتل عثمان، وقاتل علي «.

"وہ ٹھوکر کھانے والا شخص اپنے کیے پر ندامت سے اپنے ہاتھ ملتا رہا اور استغفار کرتا رہا؛ بخلاف قاتلِ طلحہ، قاتلِ عثمان اور قاتلِ علی کے۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے *تاریخ الإسلام* میں اس واقعے کو مزید تفصیل سے بیان کیا ہے:

» عمير بن جرموز المجاشعي قاتل حواري رسول الله صلى الله عليه وسلم. قتله تقربا بذلك إلى علي، وقال لما جاء يستأذن عليه: بشر قاتل الزبير بالنار، فندم المعثر وأسقط في يده، وبقي كالبعير الأجرب، كل يتجنبه ويهول عليه ما صنع، ورأى منامات مزعجة «.

یعنی:

"عمیر بن جرموز مجاشعی، رسول اللہ ﷺ کے حواری کے قاتل تھے۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انہیں قتل کیا تھا۔ جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہونے کی اجازت مانگنے آیا تو حضرت علی نے فرمایا: زبیر کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو۔ چنانچہ وہ ٹھوکر کھانے والا شخص نادم ہو گیا، اس پر سخت ندامت طاری ہوئی، اور وہ ایسے رہ گیا جیسے خارش زدہ اونٹ ہو، ہر شخص اس سے دور رہتا اور اسے اس کے کیے ہوئے کام کی سنگینی سے ڈراتا۔ اور اسے پریشان کن خواب بھی آتے رہے۔"

پھر حافظ ذہبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب مصعب بن زبیر رحمہ اللہ عراق کے والی بنے تو ابن جرموز ان سے خوفزدہ ہوا۔ پھر خود مصعب کے پاس آیا اور کہا:

» أقدني بالزبير «

"زبیر کے بدلے مجھ سے بدلہ لے لو۔"

مصعب نے اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں خط و کتابت کی۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

» أنا أقتل ابن جرموز بالزبير! ولا بشسع نعله، أأقتل أعرابياً بالزبير؟ خل سبيله «.

"کیا میں ابن جرموز کو زبیر کے بدلے قتل کروں؟ وہ تو زبیر کی جوتی کے تسمے کے برابر بھی نہیں! کیا میں ایک اعرابی کو زبیر کے بدلے قتل کروں گا؟ اسے چھوڑ دو۔"

چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔

اس کے بعد حافظ ذہبی رحمہ اللہ ایک دوسری روایت کے مطابق اس کے انجام کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ اپنے گناہ کی وجہ سے زندگی سے بیزار ہو گیا اور عراق کے ایک علاقے میں گیا۔ وہاں ایک عمارت کے سائے میں موجود شخص کو حکم دیا کہ عمارت کا ایک حصہ اس پر گرا دے۔ اس شخص نے ایسا کیا اور وہ اس کے نیچے دب کر مر گیا۔

امام ابن اثیر رح نے بھی اسی قول کو اختیار کیا کہ اسکی موت مصعب بن زبیر کے دور حکومت میں ہوئی

وكثير من الناس يقولون: إن ابن جرموز قتل نفسه، لما قال له علي: بشر قاتل ابن صفية بالنار، وليس كذلك، وإنما هو عاش بعد ذلك، حتى ولي مصعب ابن الزبير البصرة، فاختفى ابن

جرموز، فقال مصعب: ليخرج، فهو آمن، أيظن أني أقيده بأبي عبد الله؟ يعني أباه الزبير، ليسا سواء

📖 أسد الغابة في معرفة الصحابة

امام الفاسی رح بھی اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

وذكر الزبير بسنده خبرا يقضي أن ابن جرموز، أتى مصعب بن الزبير فسجنه، وكتب إلى أخيه عبد الله بن الزبير يخبره بذلك، فلامه على سجنه وأمره بإطلاقه، وقال: أظننت أني قاتل أعرابيّا من بني تميم بالزبير؟ فخلى مصعب سبيله، حتى إذا كان ببعض السواد، لحق بقصر من قصوره عليه زحا، ثم أمر إنسانا أن يطرحه عليه، فطرحه فقتله، وكان قد كره الحياة، لما كان يهول عليه ويرى في منامه، وذلك دعاه إلى ما فعل، وهو حزين متألم، والله أعلم.

"اور زبیر رحمہ اللہ نے اپنی سند سے ایک خبر ذکر کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ابن جرموز مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، تو انہوں نے اسے قید کر دیا، اور اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اس بارے میں خط لکھ کر اطلاع دی۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے اسے قید کرنے پر انہیں ملامت کی اور اسے آزاد کرنے کا حکم دیا، اور کہا: "کیا تم نے یہ گمان کیا کہ میں زبیر رضی اللہ عنہ کے بدلے بنو تمیم کے ایک بدوی کو قتل کروں گا؟"

چنانچہ مصعب نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر جب وہ کسی دیہی علاقے میں پہنچا تو اپنے ایک محل کے پاس گیا، جس پر ایک چکی کا پتھر تھا۔ پھر اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اسے اس پر گرا دے۔ اس شخص نے وہ پتھر اس پر گرا دیا اور اسے قتل کر دیا۔

وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا تھا، کیونکہ جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا تھا وہ اسے خوف زدہ کرتا تھا اور وہ اپنے خواب میں بھی اسے دیکھتا تھا۔ یہی چیز اسے اس کام کی طرف لے گئی جو اس نے کیا، جبکہ وہ غمگین اور رنجیدہ تھا، اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔"

📖 العقد الثمین فی تاریخ البلد الأمین

چنانچہ اس بات پر تو آئمہ رجال متفق ہیں کہ ابن جرموز سیدنا زبیر و مصعب کے دور حکومت تک زندہ رہا۔

اگر تاریخی روایت قبول کی جائے تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے اپنے صاحبزادے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی ابن جرموز کو قتل کرنے کا موقع آیا، لیکن انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔ اس کے بعد ابن جرموز اس فعل پر نادم رہا اور بالآخر اس کا انجام بھی نہایت عبرتناک ہوا۔

زبیر رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے واقعات کو یکساں سمجھنے کا مغالطہ

یہاں نواصب کی طرف سے ایک اور مغالطہ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے واقعے کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمانوں کی باہمی جنگوں میں کسی مقتول کے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، اس لیے نہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل پر قصاص تھا اور نہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر۔

ہم سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنا عقیدہ اور منہج پہلے ہی بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ کہنا کہ دونوں واقعات ایک جیسے تھے، نواصب کا ایک اور دھوکا ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کسی لشکر کے ساتھ کوفہ نہیں آئے تھے۔

ان کے قافلے میں چند درجن بھر کے قریب افراد تھے، جس کا ایک چوتھائی حصہ خواتین اور بچوں پر مشتمل تھا۔ جب کوفہ کا راستہ بند پایا تو انہوں نے اپنا رخ شام کی جانب موڑ لیا۔ اس کے بعد بھی انہوں نے بارہا اپنا موقف واضح کیا اور عمر بن سعد کے سامنے تین میں سے کسی ایک بات کو اختیار کرنے کی پیشکش کی: انہیں واپس جانے دیا جائے، کسی دوسرے مقام کی طرف جانے دیا جائے، یا انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے۔

اس کے باوجود عبید اللہ بن زیاد نے ایسا حکم دیا کہ اگر عمر بن سعد قتال نہیں کرتا تو خود عمر بن سعد کو قتل کر دیا جائے۔

اور اس پورے واقعے میں ہمارے مخالفین کے پاس ایسی ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کسی باقاعدہ جنگ کی طرح میدان سجایا، صفیں قائم کیں اور کسی لشکر کے ساتھ جنگ شروع کی۔

اگر ان تمام بنیادی فرقوں کے باوجود کسی کو دونوں واقعات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تو پھر سوال یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر شرعی قصاص واجب ہی نہیں تھا تو اس بات کو تسلیم کرنے سے اتنی گھبراہٹ کیوں ہے کہ عبید اللہ بن زیاد ہی وہ بدبخت شخص تھا جس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور اس کی فوج نے اس حکم کو عملی جامہ پہنایا؟

آخر وہ ان افسانوں کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ہیں جن میں حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو کسی ایسے تیسرے گروہ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جس کی کمان نہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور نہ عمر بن سعد کے پاس؟

اہلِ علم نے بھی ان دونوں واقعات کو ایک ہی حکم میں نہیں رکھا۔

اس بات میں تو آئمہ نے اختلاف کیا ہے کہ کیا یزید کا حسین رض سے قتال کا حکم دینا ثابت ہے یا نہیں، مگر اس بات پر آج تک کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ حسین رض کا قصاص ساقط تھا یا معاملہ مشتبہ تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں صاف لکھا:

» لَكِنَّهُ مَعَ هَذَا لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُ إِنْكَارُ قَتْلِهِ، وَالِانْتِصَارُ لَهُ وَالْأَخْذُ بِثَأْرِهِ، كَانَ هُوَ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ، فَصَارَ أَهْلُ الْحَقِّ يَلُومُونَهُ عَلَى تَرْكِهِ لِلْوَاجِبِ مُضَافًا إِلَى أُمُورٍ أُخْرَى

"لیکن اس کے باوجود اس کی طرف سے ان کے قتل پر نکیر ظاہر نہیں ہوئی، حالانکہ ان کی حمایت کرنا اور ان کے خون کا بدلہ لینا ہی اس پر واجب تھا۔ چنانچہ اہلِ حق اسے اس واجب کو ترک کرنے پر، دیگر امور کے ساتھ، ملامت کرتے تھے۔"

اب ہم مخالفین سے صرف اتنا مطالبہ کرتے ہیں کہ امت کے کم از کم دو تین صحیح العقیدہ اہلِ سنت کے ائمہ پیش کر دیں جنہوں نے ابن جرموز اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں بھی یہی بات کہی ہو کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینا علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا اور اسے ترک کرنا ان کی اجتہادی خطا تھی۔

اہلِ سنت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معصوم نہیں سمجھتے۔ بلکہ خود *منہاج السنۃ* میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض فیصلوں کو بطور مثال پیش کیا ہے جہاں ان کے اجتہاد میں خطا کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی طرح روافض کے رد میں اردو، عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں صدیوں سے کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔

لیکن ہمیں ان بے شمار کتب میں یہ استدلال بھی نظر نہیں آتا کہ اگر فلاں صحابی سے کسی معاملے میں اجتہادی خطا ہوئی تو علی رضی اللہ عنہ سے بھی ابن جرموز کے معاملے میں یہی اجتہادی خطا ہوئی۔

یہ اعتراض اگر اتنا ہی واضح فقہی اصول تھا تو صدیوں کے اہلِ سنت کے علمی ذخیرے میں اس کا کوئی نہ کوئی نمونہ ضرور موجود ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس ہمیں حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں قصاص کے وجوب کی صریح تصریحات ملتی ہیں، جبکہ زبیر رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ایسا کوئی فقہی قول موجود نہیں کہ ابن جرموز سے قصاص لینا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا۔

حرفِ آخر

یہ تحریر متعدد علماء سے مشاورت کے بعد، ہفتوں کی محنت اور تحقیق سے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں پیش کیے گئے دلائل صحیحین سے لے کر تاریخِ ابن عساکر تک کے مصادر سے لیے گئے ہیں۔ تاہم ہماری پوری بحث کا خلاصہ چند بنیادی نکات میں ہے:

اول : احنف بن قیس اور زید بن وہب رضی اللہ عنہما سے منقول وہ روایات، جن کے ذریعے ہمیں جنگِ جمل اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقعات کو قریب سے دیکھنے والے راویوں سے تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ان کی اسناد میں کوئی معتبر علت یا ایسا ضعف ہے جو ہمارے استدلال کو متاثر کرتا ہے تو ہمیں ضرور آگاہ کیا جائے۔ اگر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے امان دینے کے بعد، حالتِ نماز یا حالتِ نوم میں قتل کیے جانے کے بارے میں کوئی معتبر سند موجود ہے تو وہ بھی پیش کی جائے۔

دوم: آئمہ اہل سنت کا جمل و صفین کی ہر ایک شہادت پر یہی موقف ہے کہ ان کا قصاص ساقط تھا ۔کسی کے بارے میں آئی اخروی وعید سے دنیاوی قصاص کو واجب قرار دیناخود سیدنا عمار رض کی مثال کے سبب غلط ہے۔ سیدنا زبیر کی واپسی کی کیفیت، سیدنا علی کا مدبرین سے قتال نہ کرنے کا حکم اور ان دونوں کا ابن جرموز تک نہ پہنچنا اور پھر وادی سباع میں ہوئے واقع پر کسی دوسری تیسری شہادت کی غیر موجودگی ابن جرموز سے قصاص واجب ہونے کی نفی کرتی ہے۔

سوم : سب سے بڑھ کر یہ کہ ابن جرموز سے قصاص کے وجوب کو محض تاریخی قیاس یا جذباتی استدلال سے نہیں، بلکہ قرآن و سنت، شرعی و فقہی اصول اور ائمہ اہلِ سنت کے متقدم فہم سے ثابت کیا جائے۔

<u>غامدیت چاہے فقہ میں ہو یا تاریخ میں، ہمیں قبول نہیں۔ اسکا وہی انجام ہوتا ہے جو نظام کا ہوا۔</u>

اگر دورانِ تحقیق کسی روایت میں کوئی ضعیف راوی نکل آئے، کسی مدلس کی عن والی روایت سے سہواً استدلال ہو گیا ہو، یا کسی سندی نکتے میں ہم سے غلطی رہ گئی ہو تو ہم اس کی پیشگی معذرت خواہ ہیں مگر وہ ہمارے استدلال کے لئے اہم نہیں۔

ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اپنے بنیادی استدلال کی بنیاد کسی کمزور روایت پر نہ رکھی جائے اور جہاں کسی تاریخی روایت سے محض تائیدی یا تقویتی پہلو مقصود ہو، وہاں اسے مستقل دلیل کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اس کی حیثیت بھی واضح کر دی جائے۔

بہتر ہوگا ان ضمنی دلائل کی تضعیف میں اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ جن روایات سے بنیادی استدلال ہے اس میں اگر کوئی خامی ہے یا اس پر کوئی اور روایت موجود ہے جس سے معاملہ کی نوعیت بدل سکتی ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

استدلال میں استعمال ہونے والے اقوال و مرویات

سیدنا زبیر رض کی واپسی کا واقعہ:

أخرجه ابن سعد في الطبقات ٣ / ٨١، قال : أخبرنا الحسن بن موسى الأشيب قال: أخبرنا ثابت بن يزيد، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابن عباس أنه أتى الزبير، فقال : أين صفية بنت عبد المطلب حيث تقاتل بسيفك علي بن أبي طالب بن عبد المطلب؟ قال :فرجع الزبير، فلقيه ابن جرموز فقتله، فأتى ابن عباس عليًا، فقال. إلى أين قاتل ابن صفية؟ قال علي :إلى النار.

قلت :هذا إسناد حسن، رواته ثقات، ماعدا هلال بن خباب العبدي مولاهم، وهو صدوق، تغير بآخرة، كما في التقريب

كتاب المطالب العالية محققا

ج18ص130–٢١-باب وقعة الجمل

زید بن وہب کی روایت

٣٨٣٣ // حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ : أَقْبَلَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ حَتَّى نَزَلَا الْبَصْرَةَ وَطَرَحُوا سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ, فَبَلَغَ ذَلِكَ عَلِيًّا, وَعَلِيٌّ كَانَ بَعَثَهُ عَلَيْهَا, فَأَقْبَلَ حَتَّى نَزَلَ بِذِي قَارٍ, فَأَرْسَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ إِلَى الْكُوفَةِ فَأَبْطَأُوا عَلَيْهِ, ثُمَّ أَتَاهُمْ عَمَّارٌ فَخَرَجُوا , قَالَ زَيْدٌ :فَكُنْتُ فِيمَنْ خَرَجَ مَعَهُ , قَالَ :فَكَفَّ عَنْ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَأَصْحَابِهِمَا, وَدَعَاهُمْ حَتَّى

بَدَءُوهُ فقَاتَلَهُمْ بَعْدَ صَلَاةِ الظُّهْرِ, فَمَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَحَوْلَ الْجَمَلِ عَيْنٌ تَطْرِفُ مِمَّنْ كَانَ يَذُبُّ عَنْهُ

,فَقَالَ عَلِيٌّ :لَا تُتِمُّوا جَرِيحًا وَلَا تَقْتُلُوا مُدْبِرًا وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ وَأَلْقَى سِلَاحَهُ فَهُوَ آمِنٌ; فَلَمْ يَكُنْ قِتَالُهُمْ إِلَّا

تِلْكَ الْعَشِيَّةَ وَحْدَهَا, فَجَاءُوا بِالْغَدِ يُكَلِّمُونَ عَلِيًّا فِي الْغَنِيمَةِ فَقَوْلُ عَلِيّ هَذِهِ الْآيَةُ , فَقَالَ : أَمَا إِنَّ اللَّهَ

يَقُولُ }وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ] {الأنفال:٤١ [أَيُّكُمْ

لِعَائِشَةَ؟ فَقَالُوا :سُبْحَانَ اللَّهِ, أُمُّنَا , فَقَالَ : أَحَرَامٌ هِيَ؟ قَالُوا : نَعَمْ , قَالَ عَلِيٌّ; فَإِنَّهُ يَحْرُمُ مِنْ بَنَاتِهَا

مَا يَحْرُمُ مِنْهَا; قَالَ : أَفَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ أَنْ يَعْتَدِدْنَ مِنَ الْقَتْلَى أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا , قَالُوا : بَلَى

,قَالَ : أَفَلَيْسَ لَهُنَّ الرُّبُعُ وَالثُّمُنُ مِنْ أَزْوَاجِهِنَّ , قَالُوا : بَلَى , قَالَ : ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ الْيَتَامَى لَا

يَأْخُذُونَ أَمْوَالَهُمْ , ثُمَّ قَالَ : يَا قَنْبَرُ, مَنْ عَرَفَ شَيْئًا فَلْيَأْخُذْهُ , قَالَ زَيْدٌ :فَرَدَّ مَا كَانَ فِي الْعَسْكَرِ وَغَيْرِهِ

,قَالَ :وَقَالَ عَلِيٌّ, لِطَلْحَةَ , وَالزُّبَيْرِ : أَلَمْ تُبَايِعَانِي؟ فَقَالَا :نَطْلُبُ دَمَ عُثْمَانَ; فَقَالَ عَلِيٌّ: لَيْسَ عِنْدِي دَمُ

عُثْمَانَ , قَالَ :قَالَ عَمْرُو بْنُ قَيْسٍ: فَحَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ يُقَالُ لَهُ أَبُو قَيْسٍ , قَالَ : لَمَّا نَادَى

قَنْبَرٌ » مَنْ عَرَفَ شَيْئًا فَلْيَأْخُذْهُ « مَرَّ رَجُلٌ عَلَى قِدْرٍ لَنَا وَنَحْنُ نَطْبُخُ فِيهَا فَأَخَذَهَا , فَقُلْنَا : دَعْهَا حَتَّى يَنْضَجَ

مَا فِيهَا , قَالَ :فَضَرَبَهَا بِرِجْلِهِ ثُمَّ أَخَذَهَا.

كتاب المصنف-ابن أبي شيبة-ت الحوت

ص545–في مسير عائشة وعلي وطلحة والزبير

قال شیخ ابن حجر عسقلانی فی الکتاب فتح الباري بشرح البخاري - ط السلفية:

وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ : أَقْبَلَ طَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ حَتَّى نَزَلَا الْبَصْرَةَ۔۔۔

ج 13 ص 58

قال امام عینیؒ فی الکتاب نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار:

ص : حدثنا فهد، قال : ثنا أحمد بن عبد الله بن يونس، قال : ثنا زائدة بن قدامة، عن عمر بن قيس الماصر، عن زيد بن وهب قال" : أقبل علي - رضي الله عنه - حتى نزل بذي قار، فأرسل عبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - إلى أهل الكوفة، فأبطئوا عليه، ثم أتاهم عمار - رضي الله عنه - فخرجوا، قال زيد : فكنت فيمن خرج معه قال: فكف عن طلحة والزبير وأصحابهم ودعاهم، حتى بدءوه فقاتلهم."

ش : إسناده صحيح، ورجاله ثقات

ج12 ص170 – باب: الإمام يريد قتال العدو هل عليه قبل ذلك أن يدعو أم لا؟

احنف بن قیس کی روایت

كتاب المصنف - ابن أبي شيبة - ت الحوت

٣٧٧٩٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ جَاوَانَ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَنَحْنُ نُرِيدُ الْحَجَّ, فَإِنَّا لَمَنَازِلُنَا نَضَعُ رِحَالَنَا إِذْ أَتَانَا آتٍ, فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ فَزِعُوا وَاجْتَمَعُوا فِي الْمَسْجِدِ, فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا النَّاسُ مُجْتَمِعُونَ فِي الْمَسْجِدِ, فَإِذَا عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ وَطَلْحَةُ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ, قَالَ: فَإِنَّا لَكَذَلِكَ إِذْ جَاءَنَا عُثْمَانُ, فَقِيلَ: هَذَا عُثْمَانُ, فَدَخَلَ عَلَيْهِ مُلَيَّةٌ لَهُ صَفْرَاءُ, قَدْ قَنَّعَ بِهَا رَأْسَهُ, قَالَ: هَاهُنَا عَلِيٌّ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: هَاهُنَا الزُّبَيْرُ؟ قَالُوا: نَعَمْ, قَالَ: هَاهُنَا طَلْحَةُ؟ قَالُوا: نَعَمْ; قَالَ هَاهُنَا سَعْدٌ؟ قَالُوا: نَعَمْ, قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ يَبْتَاعُ مِرْبَدَ بَنِي فُلَانٍ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ, فَابْتَعْتُهُ بِعِشْرِينَ أَلْفًا أَوْ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ أَلْفًا, فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ: ابْتَعْتُهُ, قَالَ: اجْعَلْهُ فِي مَسْجِدِنَا وَلَكَ أَجْرُهُ، فَقَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ, قَالَ: فَقَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ, أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ ابْتَاعَ بِئْرَ رُومَةَ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ, فَابْتَعْتُهَا بِكَذَا وَكَذَا, ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: قَدِ ابْتَعْتُهَا, قَالَ: اجْعَلْهَا سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِينَ وَأَجْرُهَا لَكَ, قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ, قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ, أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ فِي وُجُوهِ الْقَوْمِ فَقَالَ: مَنْ

جهَّزَ هؤلَاءِ غفَرَ اللهُ لَهُ يعْنِي جَيْشَ الْعُسْرَةِ, فَجهَّزْتهُم حَتَّى لَمْ يَفْقِدُوا خِطَامًا وَلَا عِقَالًا , قَالَ :قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ , قَالَ : اللَّهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثًا , قَالَ الْأَحْنَفُ : فَانْطَلَقْتُ فَأَتَيْتُ طَلْحَةَ , وَالزُّبَيْرَ فَقُلْتُ :مَا تَأْمُرَانِي بِهِ وَمَنْ تَرْضَيَانِهِ لِي, فَإِنِّي لَا أَرَى هذَا إِلَّا مَقْتُولًا , قَالَا : نَأْمُرُكَ بِعَلِيّ , قَالَ : قُلْتُ: تَأْمُرَانِي بِهِ وَتَرْضَيَانِهِ لِي؟ قَالَا : نَعَمْ , قَالَ : ثُمَّ انْطَلَقْتُ حَاجًّا حَتَّى قَدِمْتُ مَكَّةَ فَبَيْنَا نَحْنُ بِهَا إِذْ أَتَانَا قَتْلُ عُثْمَانَ وَبِهَا عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤمِنِينَ , فَلَقِيتُهَا فَقُلْتُ لَهَا : مَنْ تَأْمُرِينِي بِهِ أَنْ أُبَايِعَ؟ فَقَالَتْ :عَلِيًّا , فَقُلْتُ : أَتَأْمُرِينِي بِهِ وَتَرْضَيْنَهُ لِي؟ قَالَتْ :نَعَمْ, فَمَرَرْتُ عَلَى عَلِيّ بِالْمَدِينَةِ فَبَايَعْتُهُ, ثُمَّ رَجَعْتُ إِلَى الْبَصْرَةِ , وَلَا أَرَى إِلَّا أَنَّ الْأَمْرَ قَدِ اسْتَقَامَ; قَالَ :فَبَيْنَا أَنَا كَذلِكَ إِذْ أَتَانِي آتٍ فَقَالَ: هذِهِ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤمِنِينَ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ قَدْ نَزَلُوا جَانِبَ الْخُرَيْبَةِ , قَالَ : قُلْتُ: مَا جَاءَ بِهِمْ؟ قَالَ : أَرْسَلُوا إِلَيْكَ لِيَسْتَنْصِرُوكَ عَلَى دَمِ عُثْمَانَ, قُتِلَ مَظْلُومًا , قَالَ : فَأَتَانِي أَفْظَعُ أَمْرٍ أَتَانِي قَطُّ فَقُلْتُ: إِنَّ خِذْلَانِي هؤلَاءِ وَمَعَهُمْ أُمُّ الْمُؤمِنِينَ وَحَوَارِيُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَشَدِيدٌ , وَإِنَّ قِتَالِي ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ أَمَرُونِي بِبَيْعَتِهِ لَشَدِيدٌ; فَلَمَّا أَتَيْتُهُمْ قَالُوا : جِئْنَا نَسْتَنْصِرُ عَلَى دَمِ عُثْمَانَ, قُتِلَ مَظْلُومًا , قَالَ :فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤمِنِينَ, أَنْشُدُكِ بِاللهِ , هَلْ قُلْتُ لَكِ : مَنْ تَأْمُرِينِي بِهِ؟ فَقُلْتِ :عَلِيًّا فَقُلْتُ: تَأْمُرِينِي بِهِ وَتَرْضَيْنَهُ لِي؟ فَقُلْتِ : نَعَمْ، قَالَتْ : نَعَمْ,وَلكِنَّهُ بَدَّلَ , قُلْتُ : يَا زُبَيْرُ, يَا حَوَارِيَّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَا طَلْحَةُ, نَشَدْتُكُمَا بِاللهِ، أَقُلْتُ لَكُمَا : مَنْ تَأْمُرَانِي بِهِ؟ فَقُلْتُمَا :عَلِيًّا , فَقُلْتُ :تَأْمُرَانِي بِهِ وَتَرْضَيَانِهِ لِي؟ فَقُلْتُمَا : نَعَمْ؟ قَالَا : بَلَى,وَلكِنَّهُ بَدَّلَ , قَالَ :فَقُلْتُ: لَا وَاللهِ لَا أُقَاتِلُكُمْ

وَمَعَكُمْ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ وَحَوَارِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُمُونِي بِبَيْعَتِهِ: اخْتَارُوا مِنِّي بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: إِمَّا أَنْ تَفْتَحُوا لِي بَابَ الْجِسْرِ فَأَلْحَقَ بِأَرْضِ الْأَعَاجِمِ, حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ مِنْ أَمْرِهِ مَا قَضَى, أَوْ أَلْحَقَ بِمَكَّةَ فَأَكُونَ بِهَا حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ مِنْ أَمْرِهِ مَا قَضَى, أَوْ أَعْتَزِلَ فَأَكُونَ قَرِيبًا, قَالُوا: نَأْتَمِرُ, ثُمَّ نُرْسِلُ إِلَيْكَ, فَائْتَمَرُوا فَقَالُوا: نَفْتَحُ لَهُ بَابَ الْجِسْرِ فَيَلْحَقُ بِهِ الْمُنَافِقُ وَالْخَاذِلُ, وَيَلْحَقُ بِمَكَّةَ فَيَتَعَجَّسُكُمْ فِي قُرَيْشٍ وَيُخْبِرُهُمْ [٥٤١] بِأَخْبَارِكُمْ, لَيْسَ ذَلِكَ بِأَمْرٍ, اجْعَلُوهُ هَاهُنَا قَرِيبًا حَيْثُ تَطَأُونَ عَلَى صِمَاخِهِ, وَتَنْظُرُونَ إِلَيْهِ, فَاعْتَزَلَ بِالْجُلْحَاءِ مِنَ الْبَصْرَةِ عَلَى فَرْسَخَيْنِ, وَاعْتَزَلَ مَعَهُ زُهَاءُ سِتَّةِ آلَافٍ, ثُمَّ الْتَقَى الْقَوْمُ, فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيلٍ طَلْحَةُ وَكَعْبُ بْنُ سُورٍ مَعَهُ الْمُصْحَفُ, يُذَكِّرُ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ حَتَّى قُتِلَ مِنْهُمْ مَنْ قُتِلَ, وَبَلَغَ الزُّبَيْرُ سَفَوَانَ مِنَ الْبَصْرَةِ كَمَكَانِ الْقَادِسِيَّةِ مِنْكُمْ, فَلَقِيَهُ النَّضْرُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي مُجَاشِعٍ, قَالَ: أَيْنَ تَذْهَبُ يَا حَوَارِيَّ رَسُولِ اللَّهِ, إِلَيَّ فَأَنْتَ فِي ذِمَّتِي, لَا يُوصَلُ إِلَيْكَ, فَأَقْبَلَ مَعَهُ, قَالَ: فَأَتَى إِنْسَانٌ الْأَحْنَفَ قَالَ: هَذَا الزُّبَيْرُ قَدْ لُقِيَ بِسَفَوَانَ قَالَ: فَمَا يَأْمَنُ؟ جَمَعَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى ضَرَبَ بَعْضُهُمْ حَوَاجِبَ بَعْضٍ بِالسُّيُوفِ, ثُمَّ لَحِقَ بِبَيْتِهِ وَأَهْلِهِ, فَسَمِعَهُ عُمَيْرُ بْنُ جُرْمُوزٍ وَغُوَاةٌ مِنْ غُوَاةِ بَنِي تَمِيمٍ وَفَضَالَةُ بْنُ حَابِسٍ وَنُفَيْعٌ, فَرَكِبُوا فِي طَلَبِهِ, فَلَقُوا مَعَهُ النَّضْرَ, فَأَتَاهُ عُمَيْرُ بْنُ جُرْمُوزٍ وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لَهُ ضَعِيفَةٍ, فَطَعَنَهُ طَعْنَةً خَفِيفَةً, وَحَمَلَ عَلَيْهِ الزُّبَيْرُ وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ «ذُو الْخِمَارِ» حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَاتِلُهُ نَادَى صَاحِبَيْهِ: يَا نُفَيْعُ يَا فَضَالَةُ, فَحَمَلُوا عَلَيْهِ حَتَّى قَتَلُوهُ.

قال شیخ ابن حجر عسقلانیؒ:

وَرَدَ فِي اعْتِزَالِ الْأَحْنَفِ الْقِتَالَ فِي وَقْعَةِ الْجَمَلِ سَبَبٌ آخَرُ، فَأَخْرَجَ الطَّبَرِيُّ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ جَاوَانَ قَالَ---

كتاب فتح الباري بشرح البخاري - ط السلفية رقم 7083

قال الشيخ الألباني: « صحيح »، وقال الشيخ زبير علي زئي: « حسن. «

وهذان الحديثان يرويان نفس الحدث المذكور في رواية مصنف ابن أبي شيبة، إلا أن رواية النسائي وردت باختصار.

سنن النسائي، حديث رقم (٣٦٣٦،٣٦٣٧):

قال محمد بن طاهر البرزنجي رحمه الله في كتابه » صحيح وضعيف تاريخ الطبري

«، ج-3، ص-382، عن هذه الرواية: إسناده حسن صحيح.

قال شیخ ابن حبانؒ

ذِكْرُ مَغْفِرَةِ اللهِ جَلَّ وَعَلَا لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عند تَسْبِيلِهِ رُومَةَ.

٣٢٥٣- أَخبَرنا الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ، حدثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حدثنا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ جَاوَانَ، عَنِ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ

كتاب صحيح ابن حبان

وقد وردت الرواية بهذا الإسناد في «صحيح ابن خزيمة» و«الأحاديث المختارة» للضياء المقدسي، مختصرةً.

ابن عباس رض کا خوارج سے مناظرہ کرنا

السنن الكبرى للنسائي(7/480)

8522- أخبرنا عمرو بن علي قال: حدثنا عبد الرحمن بن مهدي قال: حدثنا عكرمة بن عمار قال: حدثني أبو زميل قال: حدثني عبد الله بن عباس قال: لما خرجت الحرورية اعتزلوا في دار، وكانوا ستة آلاف فقلت لعلي: يا أمير المؤمنين أبرد بالصلاة، لعلي أكلم هؤلاء القوم قال: إني أخافهم عليك قلت: كلا، فلبست، وترجلت، ودخلت عليهم في دار نصف النهار، وهم يأكلون فقالوا: مرحبا بك يا ابن عباس، فما جاء بك؟ قلت لهم: أتيتكم من عند أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم المهاجرين،

والأنصار، ومن عند ابن عم النبي صلى الله عليه وسلم وصهره، وعليهم نزل القرآن، فهم أعلم بتأويله منكم، وليس فيكم منهم أحد، لأبلغكم مايقولون، وأبلغهم ماتقولون، فانتحى لي نفر منهم قلت: هاتوا ما نقمتم على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وابن عمه قالوا: ثلاث قلت: ماهن؟ قال: أما إحداهن، فإنه حكم الرجال في أمر الله وقال الله: {إن الحكم إلا لله} [[الأنعام: 57]] ما شأن الرجال والحكم؟ قلت: هذه واحدة قالوا: وأما الثانية، فإنه قاتل، ولم يسب، ولم يغنم، إن كانوا كفارا لقد حل سباهم، ولئن كانوا مؤمنين ما حل سباهم ولا قتالهم قلت: هذه ثنتان، فما الثالثة؟" وذكر كلمة معناها قالوا: محى نفسه من أمير المؤمنين، فإن لم يكن أمير المؤمنين، فهو أمير الكافرين" قلت: هل عندكم شيء غير هذا؟ قالوا: حسبنا هذا قلت: لهم أرأيتكم إن قرأت عليكم من كتاب الله جل ثناؤه وسنة نبيه مايرد قولكم أترجعون؟ قالوا: نعم قلت: أما قولكم: حكم الرجال في أمر الله، فإني أقرأ عليكم في كتاب الله أن قد صير الله حكمه إلى الرجال في ثمن ربع درهم، فأمر الله تبارك وتعالى أن يحكموا فيه أرأيت قول الله تبارك وتعالى: {يا أيها الذين آمنوا لا تقتلوا الصيد، وأنتم حرم، ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم} [[المائدة: 95]] وكان من حكم الله أنه صيره إلى الرجال يحكمون فيه، ولو شاء لحكم فيه، فجاز من حكم الرجال، أنشدكم بالله أحكم الرجال في صلاح ذات البين، وحقن دمائهم أفضل أو في أرنب؟ قالوا: بلى، هذا أفضل وفي المرأة وزوجها: {وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها} [[النساء:

35]]فنشدتكم بالله حكم الرجال في صلاح ذات بينهم، وحقن دمائهم أفضل من حكمهم في بضع امرأة؟ خرجت من هذه؟" قالوا: نعم قلت: وأما قولكم قاتل ولم يسب، ولم يغنم، أفتسبون أمكم عائشة، تستحلون منها ما تستحلون من غيرها وهي أمكم؟ فإن قلتم: إنا نستحل منها ما نستحل من غيرها فقد كفرتم، وإن قلتم: ليست بأمنا فقد كفرتم: {النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم} [[الأحزاب:6]] فأنتم بين ضلالتين، فأتوا منها بمخرج، أفخرجت من هذه؟ قالوا: نعم، وأما محي نفسه من أمير المؤمنين، فأنا آتيكم بما ترضون. إن نبي الله صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية صالح المشركين فقال لعلي: اكتب يا علي هذا ما صالح عليه محمد رسول الله قالوا: لو نعلم أنك رسول الله ما قاتلناك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: امح يا علي اللهم إنك تعلم أني رسول الله، امح يا علي، واكتب هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله والله لرسول الله صلى الله عليه وسلم خير من علي، وقد محى نفسه، ولم يكن محوه نفسه ذلك محاه من النبوة، أخرجت من هذه؟" قالوا: نعم، فرجع منهم ألفان، وخرج سائرهم، فقتلوا على ضلالتهم، فقتلهم المهاجرون والأنصار

امام شافعیؒ کے متعلق امام احمدؒ اور ابن معینؒ کا واقعہ

كتاب مناقب الشافعي للبيهقي

سمعت الشافعي يقول : سئل عمر بن عبد العزيز عن أهل صفّين ؟ فقال : تلك دماء طهَّر الله منها يدي فلا أحِبُّ أن أخْضِب لساني بها.

قلت :وهذا رأي حسن جميل من عمر بن عبد العزيز، رضي الله عنه، في السكوت عمالا يعنيه إذا لم يحتج إلى القول فيه.

فأما إذا احتاج إلى تعلّم السيرة في قتال الفئة الباغية، فلا بد له من متابعة علي بن أبي طالب في سيرته في قتالهم.

ثم ولا بد من أن يعتقد كونه محقًّا في قتالهم. وإذا كان هو محقًّا في قتالهم كان خصمه مخطئاً في قتاله والخروج عليه، غير أنه لم يخرج ببغيه عن الإسلام، كما حكينا عن الشافعي، رحمة الله عليه، في متابعته عليًّا في سيرته في قتالهم، وتسمية الطائفتين جميعاً مسلمتين.

ومما حكى عن أبي داود السجستاني أن » أحمد بن حنبل « أُخبِر أن »يحيى بن معين «ينسب » الشافعي « إلى التشيع، فقال له أحمد : تقول هذا الإمام من أئمة المسلمين ؟

فقال يحيى : إني نظرت في «كتابه في قتال أهل البغي » فإذا قد احتج من أوله إلى آخره بعلي بن أبي طالب.

فقال أحمد بن حنبل : عجباً لک! فبمن کان یحتج الشافعي في قتال أهل البغي، وأول من ابتلي من هذه الأمة بقتال أهل البغي علي بن أبي طالب؟ وهو الذي سنَّ قتالهم وأحكامهم. ليس عن النبي، صلى الله عليه وسلم، ولا عن الخلفاء وغيره -فيه سنة، فبمن کان یَستَنُّ؟ فخجل يحيى من ذلک

(ج1ص449)

امام شافعی کا امام زہری کے قول سے استدلال کرنا کہ جمل وصفین میں قاتل ومقتول متعین ہونے کے باوجود کسی سے قصاص نہیں لیا گیا

کتاب الأم للشافعي - ط الفکر ج4ص227

قال الشافعي رحمه الله تعالى: أخبرنا مطرف بن مازن عن معمر بن راشد عن الزهري قال: أدركت الفتنة الأولى أصحاب رسول الله ﷺ، فكانت فيها دماء وأموال، فلم يقتص فيها من دم ولا مال ولا قرح أصيب بوجه التأويل إلا أن يوجد مال رجل بعينه فيدفع إلى صاحبه.

قال الشافعي: وهذا كما قال الزهري عندنا. قد كانت في تلك الفتنة دماء يعرف في بعضها القاتل والمقتول، وأتلفت فيها أموال، ثم صار الناس إلى أن سكنت الحرب بينهم وجرى الحكم عليهم، فما

علمته اقتص أحد من أحد، ولا غرم به مالا أتلفه، ولا علمت الناس اختلفوا في أن ما حووا في البغي من مال فوجد بعينه فصاحبه أحق به.